ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

جلد ۳، شمارہ ۱

پرتشدد انتہا پسندی کا خاتمہ

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ
پاکستان

UNDP
پاکستان

ڈیرہ اسماعیل خان میں مردوں کی ایک کمیونٹی تنظیم کی تشکیل کے سلسلے میں کمیونٹی کا ایک اجلاس۔

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان

ڈویلپمنٹ ایڈووکیٹ پاکستان، ملک میں اہم ترقیاتی مسائل اور مشکلات پر خیالات کے تبادلہ کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کرتا ہے۔ اس کے ہر سہ ماہی شمارے میں ترقی سے متعلق ایک موضوع کو مرکزی حیثیت دیتے ہوئے عوامی بحث کی راہ ہموار کی جائے گی اور سول سوسائٹی، تدریسی حلقوں، حکومت اور ترقیاتی پارٹنرز کے مختلف نقطہ نظر پیش کئے جائیں گے۔ اس جریدے کے ذریعے ہونے والی ہر بحث میں نوجوانوں اور خواتین کی آراء شامل کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے گی۔ تجزیوں اور رائے عامہ پر مبنی آرٹیکلز ترقی سے متعلق نئے خیالات پر بحث کو فروغ دیں گے اور اس کے لئے معلومات فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ تازہ ترین معلومات بھی پیش کریں گے۔

ایڈیٹوریل بورڈ

مارک آندرے فرینشے
کنٹری ڈائریکٹر، اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ

عادل منصور
اسسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر / چیف ، بحران کی روک تھام اور بحالی یونٹ

عامر گورایہ
اسسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر / چیف ، جمہوری طرز حکمرانی یونٹ

شکیل احمد
اسسٹنٹ کنٹری ڈائریکٹر / چیف ، ڈویلپمنٹ پالیسی یونٹ

جیمز لٹلٹن
چیف ٹیکنیکل ایڈوائزر، سٹرینتھننگ الیکٹورل اینڈ لیجسلیٹو پراسیسز

فاطمہ عنایت
کمیونیکیشنز اینالسٹ

وضاحت

اس جریدے میں شامل ایڈیٹوریل بورڈ کے ارکان یا دیگر بیرونی افراد کی تحریروں میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ ضروری نہیں کہ اس ادارے کے خیالات کی عکاسی کرتے ہوں کے لئے وہ کام کرتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی آراء ایک ادارے کی حیثیت سے اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ کے خیالات کی نمائندگی کرتی ہیں۔

ایڈیٹر: ماہین حسن

ترتیب: طورسم خان

پرنٹر: آغاجی پرنٹرز، اسلام آباد

اقوام متحدہ ترقیاتی ادارہ
چوتھی منزل، سیرینا بزنس کمپلیکس،
خیابان سہروردی، سیکٹر G-5/1،
پی او باکس 1051، اسلام آباد، پاکستان

اپنی تحریریں اور جوابی آراء ہمیں اس پتہ پر ارسال کریں: communications.pk@undp.org

ISBN: 969-8736-14-9

فہرست

مارچ ۲۰۱۶

تجزیے

02 Preventing Violent Extremism

آراء

10 پاکستان میں انتہاپسندی کے مقابلے کے لئے موثر جوابی بیانیہ کی تیاری: سیاسی جماعتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کردار
ڈاکٹر حسن عباس

13 پاکستان میں تعلیم کس طرح ریڈیکلا ئزیشن کا شکار ہو رہی ہے
ڈاکٹر پرویز ہودبائی

16 پاکستان میں خواتین کی ریڈیکلا ئزیشن
ڈاکٹر شاہدہ امان

19 پرتشدد انتہاپسندانہ رویئے: رویوں کی سائنس کیا کہتی ہے
انریک فاتاس | لیناماریا ریسٹریپو پلازا | عمر تاج

21 پرتشدد انتہاپسندی کے خلاف جنگ
آئی اے رحمان

23 دہشت گردی کے لئے سرمایہ کی فراہمی اور خیرات
پرتشدد انتہاپسندی کے خاتمہ کے لئے حکومت پاکستان کی کاوشیں
عثمان ظفر

نوجوانوں کی آواز

32 مصطفیٰ شہباز | مینجمنٹ کنسلٹنٹ - کارنیلین

32 سدرا اسلفی | نوجوان کارکن و بانی
یوتھ آف فاٹا پراجیکٹ (وائی او ایف)

33 سید علی عباس زیدی | بانی، پاکستان یوتھ الائنس، خودی پاکستان، ہائیو (کراچی)
ڈویلپمنٹ پروفیشنل اور سی وی ای ماہر

34 عمیر جلیانوالہ | ڈائریکٹر، سی ای او
سکول آف لیڈرشپ، کراچی

انٹرویو

26 پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام
جسٹس علی نواز چوہان

27 لیلیٰ بخاری
سٹیٹ سیکرٹری، پرائم منسٹرز آفس، اوسلو (ان دنوں بچے کی پیدائش کے باعث رخصت پر ہیں)
ریڈیکلا ئزیشن اور پرتشدد انتہاپسندی کے خلاف ناروے حکومت کے ایکشن پلان پر کام کر چکی ہیں۔

29 رضا احمد رومی
مصنف، صحافی، انٹرنیشنل ڈویلپمنٹ پریکٹیشنر
سکالر ان ریزیڈنس، اتھاکا کالج، نیویارک
وزیٹنگ فیکلٹی، نیویارک یونیورسٹی
کنسلٹنگ ایڈیٹر، دی فرائیڈے ٹائمز

30 شیری رحمان
نائب صدر پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرینز (پی پی پی پی)
سربراہ جناح انسٹی ٹیوٹ
سابق پاکستانی سفیر برائے امریکہ
سابق وفاقی وزیر اطلاعات

Follow us

/undppakistan
/DevelopmentAdvocatePakistan
www.twitter.com/undp_pakistan
www.pk.undp.org

© UNDP Pakistan

ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک امن میلہ

اداریہ

پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام: سکیورٹی پر مبنی سوچ سے انسانی ترقی پر مبنی سوچ تک

ہماری اس دنیا کو آج بھی ایسے انتہاپسند گروہوں کی طرف سے کئی بڑے خطرات کا سامنا ہے جنہوں نے اپنے نظریاتی یا مذہبی یا پھر سیاسی ایجنڈا کو آگے بڑھانے کے لئے تشدد کا راستہ اپنایا ہوا ہے۔ سکول کی بچیوں کے اغواء، معصوم شہریوں کے بہیمانہ قتل یا ثقافتی اور مذہبی مقامات پر بم دھماکوں کے ہتھکنڈے اپناتے ہوئے یہ انتہاپسند دہشت پھیلاتے ہیں، مختلف علاقوں پر اپنی گرفت پھیلاتے ہیں، وسائل اور غیرقانونی تجارت کو کنٹرول کرتے ہیں یا ریاستوں کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ ان کے ایجنڈا پر کام کریں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں یہ بات بارہا تسلیم کی جا چکی ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی عالمی امن و استحکام کے لئے بڑا خطرہ ہے جو سماجی یکجہتی پر بے پناہ اثرات مرتب کر رہی ہے، ترقی کے عمل کو نقصان پہنچا رہی ہے اور مستقبل میں کسی کامیابیوں کے حصول میں رکاوٹیں پیدا کر رہی ہے۔ گلوبل ٹیررازم انڈکس 2015 کے مطابق دہشت گردی کے ہاتھوں اموات کی کل تعداد پچھلے سال کے مقابلے میں 80 فیصد تک بڑھ چکی ہے۔ پندرہ سال کے عرصے میں یہ سب سے بڑا سالانہ اضافہ ہے۔ صدی کے آغاز سے اب تک دہشت گردی کے ہاتھوں اموات میں نو گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ سال 2000 میں یہ تعداد 3,329 تھی جبکہ 2014 میں بڑھ کر 32,685 تک پہنچ گئی۔ دنیا میں سب سے زیادہ نقصانات اٹھانے والے ملکوں میں پاکستان بھی شامل ہے جہاں ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کے مطابق 2003 سے 2016 کے درمیان 21 ہزار سے زائد شہری لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ دیرپا انسانی ترقی کے لئے اس وقت انسانی سلامتی ضروری ہوگئی ہے اور اسے بہتر بنانے کا واحد راستہ یہی ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کی جائے اور اس کا خاتمہ کیا جائے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی کے اسباب و محرکین اور حلقہ بحث و تمحیص میں اس موضوع کی مقبولیت کے بارے میں وسیع پیمانے پر مطالعاتی تحقیق کے باوجود یہ جاننے کے لئے ٹھوس شواہد ابھی بھی سامنے آنا باقی ہیں کہ انتہاپسندی کا اصل محرک کیا ہے اور یہ موضوع ہنوز بحث طلب ہے۔ جو حتمی جواب سامنے آئے ہیں وہ پیچیدہ ہیں، اور کئی طرح کی انسانی محرومیوں اور مخصوص سیاق و سباق میں الجھے ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر پاکستان کو لے لیں۔ فاٹا ہو یا جنوبی پنجاب، خیبر پختونخواہ ہو یا کراچی، بلوچ بغاوت ہو یا کوئٹہ میں ہزارہ کمیونٹی سے تعلق رکھنے والے شیعہ افراد کے خلاف فرقہ ورانہ تشدد، ہر جگہ پرتشدد انتہاپسندی کی شکلوں اور اس کے اسباب میں بہت زیادہ فرق پایا جاتا ہے۔ بحیثیت مجموعی پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی ان جغرافیائی و سیاسی حقائق کی باقیات ہے جن کے تحت پاکستان نے افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا اور پھر افغانستان اور کشمیر کے حوالے سے جو راہیں اپنائیں یا قانون کی حکمرانی اور طرز حکمرانی کی کمزوریوں کے علاوہ پاکستانی ریاست اور معاشرے کی جانب سے روک تھام کے اقدامات کے فقدان نے بھی اپنا اثر دکھایا۔ ریاستی ادارے اور قائدین بھی بعض اوقات انتہاپسند گروہوں کی حمایت کرتے رہے ہیں اور انہوں نے بھی سٹریٹجک مقاصد کی جستجو میں انتہاپسندانہ عقیدے اور شناخت پر مبنی بیانیے پر خاطر خواہ سرمایہ کاری کی ہے۔ اس رجحان کو الٹنے کے لئے قومی اتفاق رائے پر مبنی ایک ایسی بے مثال نوعیت کی مہم کی ضرورت ہے جو نہ صرف تشدد کی تمام شکلوں کے خلاف ہو بلکہ اس میں انتہاپسندانہ بیانیہ کی تمام تر شکلوں کو بھی ہدف بنایا جائے اور ملک کے کلیدی بنیادی اصولوں کے طور پر رواداری، تنوع اور برداشت کی ان اقدار کو بھرپور طریقے سے تسلیم کیا جائے جن پر قائداعظم نے واضح انداز میں زور دیا تھا۔

پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی کا جواب زیادہ تر انسداد دہشت گردی آپریشنز کی صورت میں دیا گیا ہے۔ 2001 سے اب تک فوج ملک کے مختلف علاقوں میں انتہاپسندوں کے خاتمہ کے لئے اس طرز کے بارہ آپریشن کر چکی ہے۔ نتیجتاً تشدد میں خاص طور پر آپریشن ضرب عضب کے بعد اور کراچی میں رینجرز کی مسلسل سرگرمیوں کی بدولت 2015 کے دوران تیزی سے کمی آئی ہے۔ ساؤتھ ایشیا ٹیررازم پورٹل کے ہی ڈیٹا بیس کے مطابق 2013 سے 2015 تک پاکستان میں دہشت گردی کے ہاتھوں جانی نقصانات میں 31.5 فیصد کمی آئی۔ فرقہ ورانہ تشدد بھی کم ہو گیا ہے جس کی وجہ سے ہونے والی اموات کی تعداد 2013 میں 558 تھی، جو 2015 میں 276 رہ گئی۔ 2015 میں آرمی پبلک سکول پشاور پر حملہ ہوا جس میں 150 سے زائد طلبہ اپنی زندگیوں سے محروم ہو گئے جس کے بعد دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے حکومت نے ایک نیشنل ایکشن پلان منظور کیا۔ وسیع تر سیاسی اتفاق رائے پر مبنی اس پلان میں دیگر باتوں کے علاوہ آرمی افسران کی سربراہی میں خصوصی عدالتوں کا قیام، منافرت پر مبنی تقاریر کے خلاف کریک ڈاؤن، مدرسہ اصلاحات، انتہاپسندانہ نظریات کا پرچار روکنے کے لئے اخبارات اور ٹی وی چینلز پر کنٹرول، پاکستان میں دہشت گردی نیٹ ورکس کو سرمایہ فراہم کرنے والوں کے خلاف کارروائیاں، نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم اتھارٹی کا احیاء اور قانون کی حکمرانی بہتر بنانے کے لئے دیگر اقدامات شامل ہیں۔ بعض اقدامات پر پیشرفت ہوئی ہے جن میں فوجی عدالتوں کا قیام، مدارس کی رجسٹریشن اور پرتشدد انتہاپسندی پھیلانے کے شبہ میں بعض مدارس کی بندش شامل ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ لیکن زیادہ تر حلقے یہی سمجھتے ہیں کہ بحیثیت مجموعی یہ عملدرآمد خاصا محدود رہا ہے۔ تشدد میں کمی جہاں ایک اہم کامیابی ہے وہیں چارسدہ کی باچا خان یونیورسٹی، لاہور میں بچوں کے ایک پارک اور کئی دیگر مقامات پر ہونے والے حملوں جیسے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکیورٹی لائحہ عمل پر مبنی موجودہ سٹریٹجی کس قدر محدود ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی کے دیرپا حل کے لئے ضروری ہے کہ سکیورٹی پر مبنی قلیل مدتی سوچ سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے متعدد بنیادی اسباب کا ازالہ کیا جائے یعنی وہ عوامل جو دراصل انتہاپسندی کی پرورش کرتے ہیں۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں، قانون کی کمزور حکمرانی، بالخصوص نوجوانوں اور معاشرے کے محروم طبقات کے لئے سکڑتی ہوئی سیاسی گنجائش، اور شائستہ روزگار کمانے کے مواقع کا فقدان، پرتشدد گروہ ان سب سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پرتشدد انتہاپسندی کے اسباب چونکہ متعدد عوامل پر مبنی ہیں اس لئے پرتشدد انتہاپسندی سے نمٹنے کی پالیسیاں بھی متنوع اور کلی سوچ پر مبنی ہونی چاہئیں۔ رواداری، مذہبی برداشت، اقلیتوں کے تحفظ اور آزادی اظہار کے علاوہ طرز حکمرانی میں بہتری کو انسداد دہشت گردی کی قومی حکمت عملیوں کا بنیادی جزو بنانا ہوگا۔ فوجی کارروائیاں صرف دہشت گردی کے واقعات کو کم کر سکتی ہیں یا روک سکتی ہیں۔ ترقی کو دوام دینے کے لئے عمدہ طرز حکمرانی، قانون کی حکمرانی اور باصلاحیت سویلین اداروں کی ضرورت ہے۔ میڈیا کو بھی عوامی فلاح کی خاطر تنوع اور برداشت کے فروغ کے لئے اپنا ایک نمایاں کردار ادا کرنا ہوگا۔ تعلیم اور روزگار کے ساتھ ساتھ ریاست کو چاہئے کہ وہ سماجی سرگرمیوں، ثقافت اور کھیلوں میں نوجوانوں کی شمولیت کو فروغ دے اور یہ کام ان جغرافیائی علاقوں میں خاص طور پر کیا جائے جن کے انتہاپسند گروہوں کے زیر اثر آنے کا خطرہ زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں ایک وسیع تر اتفاق رائے کی ضرورت ہے جس میں تسلیم کیا جائے کہ قلیل مدتی سیاسی، سکیورٹی یا جغرافیائی و سیاسی مقاصد، پرتشدد انتہاپسندی کا جواز ہرگز پیدا نہیں کر سکتے، خاص طور پر ایسے حالات میں جب یہ اداروں اور معاشرے کے لئے تباہ کن اثرات کا باعث بن رہے ہوں۔

عالمی برادری کو اس بات کا احساس ہو گیا ہے کہ محض انسداد دہشت گردی کے آپریشنز سے بات نہیں بنے گی بلکہ پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کے لئے ایک اجتماعی اور کلی سوچ اپنانا ہوگی جو بنیادی اسباب کا ازالہ کرے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں سیکرٹری جنرل بان کی مون نے پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کے لئے اپنا پلان آف ایکشن پیش کیا۔ اس میں عمدہ طرز حکمرانی، قانون کی حکمرانی یقینی بنانا، سیاسی شمولیت کا فروغ، معیاری تعلیم اور شائستہ روزگار کی فراہمی اور انسانی حقوق کا احترام شامل ہیں۔ اس میں سب کی شمولیت پر مبنی ایسے ادارے تعمیر کرنے پر زور دیا گیا ہے جو صحیح معنوں میں عوام کے سامنے جوابدہ ہوں اور سب کی شمولیت کو فروغ دیتے ہوئے بیگانگی کا ازالہ کریں۔ اس میں پاکستان کی انسداد دہشت گردی و پرتشدد انتہاپسندی کی پالیسیوں کے لئے بھی کچھ رہنمائی ملتی ہے۔

پرتشدد انتہا پسندی کی روک تھام[1]

گزشتہ دو دہائیوں سے تشدد کے ہاتھوں پیدا ہونے والے مسلسل بگڑتے بحرانوں نے دنیا کے کئی علاقوں پر ایک لرزے کی سی کیفیت طاری کر رکھی ہے جن میں اکثر مذہبی و سیاسی نظریات کی بولی کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تشدد، دہشت گردی اور عسکریت پسندی کی ان لہروں کے نتیجے میں مختلف ریاستوں کے درمیان اور ان کے اندر چھڑنے والی جنگوں میں بڑے پیمانے پر وسائل کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ دنیا بھر میں لاکھوں افراد کی زندگیاں ان کی نذر ہو چکی ہیں اور اس سے بھی کئی گنا زیادہ افراد ان میں زخمی ہو چکے ہیں یا کسی ذہنی یا جسمانی صدمے سے دوچار ہیں۔ صدی کا ورق پلٹنے سے اب تک پرتشدد انتہا پسندی کے ہاتھوں ہونے والی اموات کی تعداد میں نو گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ سال 2000 میں جو تعداد صرف 3,329 تھی 2014 میں وہ بڑھ کر 32,685 تک پہنچ گئی۔ محض 2014 میں جو افراد لقمہ اجل بنے ان میں سے 78 فیصد کا تعلق صرف پانچ ممالک یعنی پاکستان، افغانستان، نائیجیریا، شام اور عراق سے تھا۔[2]

پرتشدد انتہا پسندی کی وجہ سے ہونے والے نقصانات اور اخراجات مسلسل بڑھ رہے ہیں اور ریاستوں اور معاشروں کے لئے بحرانوں کی نت نئی شکلیں سامنے آ رہی ہیں۔ دنیا بھر میں تشدد، دہشت گردی اور عسکریت پسندی کے داعی اور اس کے مرتکب لوگوں کو بلا امتیاز مار رہے ہیں اور اپاہج کر رہے ہیں، پاکستان کے بچے نشانہ بن رہے ہیں تو نائیجیریا کی بچیاں، اور پیرس و برسلز کے معصوم و بے خبر شہری۔ سلامتی کی یہ نئی طرز کی مشکلات ہوں یا عراق و شام میں اسلامک سٹیٹ کے وحشیانہ ظلم و بربریت کی داستانیں، یا پھر شام، افریقہ اور افغانستان کے وہ لاکھوں بے گھر پناہ گزین جو معاشی و سیاسی مشکلات کے مارے یورپ میں گھر اور پناہ کے متلاشی ہیں، غرض پرتشدد انتہا پسندی کی یہ ساری کارستانیاں یعنی دہشت گردی اور عسکریت پسندی ہمارے دور کی وہ اولین مشکلات ہیں جنہوں نے خود ہمارے وجود کو خطرے سے دوچار کر دیا ہے۔

پرتشدد انتہا پسندی نے کئی ریاستوں کو اس قدر مفلوج کر دیا ہے کہ ان سے موثر طرز حکمرانی کے تقاضے نبھائے جا رہے ہیں نہ وہ اپنی جائز خود مختار حیثیت کو برقرار رکھ پا رہی ہیں۔ دوسری جانب یہ ایک ایسا پیچیدہ موضوع ثابت ہوا ہے جس کی گتھیاں سلجھائے نہیں سلجھ رہیں۔ پرتشدد انتہا پسندی کے محرکین کو پوری طرح سمجھنے اور ان کی وضاحت کرنے کے لئے کئی قابل ذکر کوششیں کی جا چکی ہیں۔ محتاط مشاہدے، تحقیق اور تجرباتی علم کے ذریعے ہم پرتشدد انتہا پسندی کی تصوراتی خوبیوں کا ایک خاکہ تیار کر سکتے ہیں اور بتدریج بڑھتی اس لعنت کے ازالہ کے لئے قابل عمل حل طے کر سکتے ہیں۔

پرتشدد انتہا پسندی کیا ہے؟

اس کی صحیح صحیح تعریف پر تو ہنوز کئی ماہرین مصروف جستجو ہیں لیکن دنیا بھر سے اس کے بارے میں ملنے والی تحقیق و شواہد کے علاوہ پرتشدد انتہا پسندی کی فطرت کے بارے میں تجرباتی مشاہدات نے درج ذیل بیان کی تیاری میں اپنا کردار ضرور ادا کیا ہے:

پرتشدد انتہا پسندی سے مراد کسی نظریہ کے زیر اثر یا اس کے تحت جائز تشدد کی وکالت کرتے ہوئے، اس میں حصہ لیتے ہوئے، اس کی تیاری کرتے ہوئے یا بصورت دیگر اس کی حمایت کرتے ہوئے ایسے سماجی، اقتصادی، سیاسی و مذہبی مقاصد کو آگے بڑھانا ہے جو سخت گیر ہوں، جن میں سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہ ہو اور جو عدم برداشت پر مبنی ہوں۔[3,4]

انتہا پسندانہ عقیدے کے اس نظام میں پرامن تبدیلی اور اصلاح کے وجود کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انتہا پسندی اپنے دائرے میں تنوع کی مخالف ہے۔ یہ ایک جبری قوت ہے جو ثقافتی، سیاسی، اقتصادی، سماجی اور روحانی اعتبار سے غارت گر ہے۔ اس کا کام معاشرے کی متنوع شناختوں، مروجہ طریقوں، انداز ہائے فکر، علم اور رویئے کو نابود کرنا ہے۔ اور اس مقصد کے حصول کے لئے تشدد کا سہارا لیا جاتا ہے۔ تشدد یوں تو انسانی رویئے اور نفسیات میں بسا ایک وصف ہے لیکن پرتشدد انتہا پسند گروہ منظّم دہشت گردی، باغیانہ سرگرمیوں اور عسکریت پسندی کے ذریعے تشدد کا ارتکاب کرتے ہیں جنہیں بڑی احتیاط سے تیار کئے گئے ایک تباہ کن اور غیر انسانی نظریاتی بیانیہ کے ذریعے کسی گروہ کے اندر ایک جائز شکل دی جاتی ہے۔

عملی طور پر، پرتشدد انتہا پسندی کی کوئی ایک شکل نہیں ہوتی جبکہ اس کے مقاصد کئی طرح کے اور مختلف ہوتے ہیں۔ پرتشدد انتہا پسند گروہ متعدد سماجی، سیاسی، اقتصادی اور مذہبی مقاصد کے تحت کام کرتے ہیں اور جہاں تک دور حاضر کی اس پرتشدد دہشت گردی کا تعلق ہے تو یہ ہر جگہ، ہر ملک اور ہر خطے میں موجود ہیں۔ افراد اور گروہ اپنی اپنی تشریح کے اپنے طریقوں سے انتہا پسندانہ نظریاتی موقف اپنا سکتے ہیں۔ بعض حلقے ریاستی ڈھانچوں اور سیاسی یا اقتصادی قوت کی تقسیم سے عدم اتفاق کرتے ہیں اور اپنی تحریکیں کھڑی کر لیتے ہیں اور تنگ نظر اور غیر متاثر کن نظریاتی جواز کی بناء پر سسٹم کے لئے مشکلات پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو تاریخی، روحانی اور مذہبی جواز کی بناء پر ایسی ثقافتوں اور معاشروں کو چیلنج کرتے ہیں جنہیں وہ اپنا دشمن قرار دیتے ہوئے انہیں ختم کرنا اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔

دور حاضر کی پرتشدد انتہا پسندی کی دو خصوصیات نمایاں ہیں۔ پہلی، یہ عدم برداشت پر مبنی ایسی باتوں کا مرکب ہے جن پر لوگ مذہبی اور سیاسی اعتبار سے یقین رکھتے ہیں۔ کئی ملکوں کے پرتشدد انتہا پسند گروہوں نے مذہبی تعلیمات کی مذموم تشریحات گھڑ لی ہیں اور انہیں اپنا لیا ہے اور انہیں سیاسی مقاصد میں تحلیل کر کے بے دریغ تشدد پھیلا رہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو ان کے گروہ میں شامل نہیں وہ دشمن ہے اور اسے مار دینا لازم ہے۔ یوں ان گروہوں نے دہشت گردی اور عسکریت پسندی کی ایسی آگ لگا رکھی ہے جس کا کام ہولناک قسم کی جنگیں اور آفاقی نوعیت کا تشدد پھیلانا ہے۔ دوسری، پرتشدد انتہا پسند گروہ صحیح معنوں میں عالمی ہیں۔ سوشل میڈیا کا بھرپور استعمال ہو یا مختلف ملکوں میں رہنے والے نوجوانوں کو ہدف بنانا ہو، سرمایہ فراہم کرنا ہو یا وسائل منتقل کرنا ہوں، پرتشدد انتہا پسندی بین الاقوامی نیٹ ورکس کی شکل میں کام کرتی ہے اور ایسے چیلنج پیدا کرتی ہے جن پر بے مثال نوعیت کی عالمی بین الریاستی پالیسی کو آرڈینیشن کی ضرورت ہے۔

پرتشدد انتہا پسندی سے متعلق دنیا بھر کے شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو طرح کے لازمی حالات ایسے ہیں جو دہشت گردی اور عسکریت پسندی کی افزائش اور پھیلاؤ کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ پہلا، تنازعہ اور عدم استحکام کے حالات میں پرتشدد انتہا پسندی کی پرورش ہوتی ہے اور اس کا ظہور ہوتا ہے۔ ریاستوں کے اندرونی اور ان کے درمیان پائے جانے والے تنازعات ترقی کے ثمرات کو بے ثمر کر دیتے ہیں، سماجی و سیاسی اور اقتصادی مفلسی پھیلاتے ہیں، اور تنازعات پیدا کرنے میں معاون طریقوں کے پھیلاؤ اور دستیابی کی بدولت تشدد ایک عام سی بات بن کر رہ جاتا ہے۔ ایسے حالات میں پرتشدد انتہا پسند گروہ اکثر انتہا پسندانہ

1. The analysis has been undertaken by Harald Thorud (Programme Adviser, UNDP Pakistan) and Murad Javed (Research Analyst, UNDP Pakistan).
2. UNDP, "Preventing Violent Extremism through Inclusive Development and Promotion of Tolerance and Respect for Diversity: A development response to addressing radicalization and violent extremism"
3. Ibid
4. USAID Policy, "The Development Response to Violent Extremism and Insurgency."

نظریات کا بیج بونے، بھرتی کے لئے موزوں افراد کو تلاش کرنے اور ایسے طریقوں تک رسائی کے لئے بنے بنائے وسائل کی تلاش میں رہتے ہیں جو تنازعات کو مزید بھڑکائیں، ان میں بگاڑ پیدا کریں اور انہیں دوام دیں۔

دوسرا، ریاست کی ناکامیاں اور کمزوریاں اکثر ایسے بھرپور حالات پیدا کردیتی ہیں جن میں پرتشدد انتہاپسندی پھوٹ پڑتی ہے۔ ریاستوں کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ تمام شہریوں کے لئے طرز حکمرانی، سب کی شمولیت، اجتماعی غور و خوض اور خدمات کی فراہمی کے لئے ادارہ جاتی ڈھانچے تشکیل دیں۔ ان ڈھانچوں میں جب شدید قسم کے نقائص سامنے آجائیں تو مواقع اور وسائل تک مساوی رسائی ماند پڑ جاتی ہے جس سے طاقت کا عدم توازن پیدا ہوتا ہے اور یوں جیتنے والے ایک طرف ہوجاتے ہیں اور ہارنے والے دوسری طرف۔ ہارنے والے طرز حکمرانی کے ناروا طریقوں اور اداروں کی ناکامیوں پر حرف گیری کرتے ہیں اور یوں ان کے اندر ریاست کے بارے میں گلے شکوے پنپنے لگتے ہیں۔ ناقص ریاستی کارکردگی کی مختلف شکلیں معاشروں میں پرتشدد انتہاپسندی کے ظہور میں بے پناہ کردار ادا کرسکتی ہیں۔

پرتشدد انتہاپسندی کی نوعیت اور اس کے محرکین پر اس گفتگو میں پرتشدد انتہاپسندی اور ریڈیکلائزیشن کے درمیان تعلق پر زور دینا اور اس کی گتھیاں سلجھانا بہت ضروری ہے۔ ریڈیکلائزیشن پرتشدد انتہاپسندی کے اہم نقیب کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم ریڈیکلائزیشن ایک عمل اور سماجی تجربے کے طور پر ہمیشہ منفی نہیں ہوتی۔ دنیا بھر میں اصلاحات کی خاطر سرگرم کئی ریڈیکل خیالات اور گروہوں کی بدولت مثبت تبدیلی کی کئی لہریں سامنے آچکی ہیں۔ مثال کے طور پر حقوق نسواں اور حق رائے دہی کی تحریکیں، امریکہ میں شہری حقوق کی تحریک اور بھارت و جنوبی افریقہ میں عدم تشدد پر مبنی سول نافرمانی تحریک کو کسی دور میں ریڈیکل سمجھا جاتا تھا۔ ان تحریکوں اور گروہوں نے ملکی قوانین اور اداروں میں ترقی پسندانہ اصلاحات کے لئے زور لگایا اور وقتی کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ دوسری جانب ریڈیکلائزیشن ضروری تو ہے لیکن پرتشدد انتہاپسندی کے ظہور کے لئے محض یہی کافی نہیں ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی سے پہلے ریڈیکلائزیشن کا ایک عمل ہوتا ہے جس میں ہر طرف شکایتیں ہی شکایتیں ہوتی ہیں، منفی وابستگیاں ہوتی ہیں، اور نفسیاتی و سماجی شناخت میں تبدیلی کا ایک عمل چلتا ہے جو تشدد کے ذریعے انتقام کی راہ اپناتا ہے۔ پرتشدد انتہاپسند گروہ ایسے بیانئے تیار کرتے ہیں جو صورتحال پر احساس زیاں، شکایات اور غم و غصے میں مزید بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔ اس بیانئے کا پھیلاؤ اور افراد میں اس کا نفوذ ریڈیکلائزیشن کا ایک کلیدی جزو ہے۔ پرتشدد انتہاپسندی کے سیاق و سباق میں ریڈیکلائزیشن اس کا نفسیاتی و سماجی پیش خیمہ ہے اور ایک ایسا عمل ہے جو افراد کو پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر آمادہ کرتا ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی کی مختصر تاریخ

پرتشدد انتہاپسندی کی تاریخ خاصی طویل ہے اور زمان و مکاں اور نظریات کی سرحدوں سے آزاد ہے۔ دو عالمی جنگوں کے درمیانی عرصے میں یورپ میں فاشسٹ گروہوں کا ظہور ایک ایسے انتہاپسندانہ نظریئے کی قابل ذکر علامت ہے جس نے ریاستی ڈھانچوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اور نسل کشی پر مبنی جنگوں اور تشدد کی راہ اپنائی۔ انیسویں صدی کے نراج پسند گروہوں نے اس دور کی سیاسی تبدیلیوں اور آندھیوں سے نمٹنے کے لئے تشدد کو ایک حکمت عملی کے طور پر اپنانے کی کوشش کی۔ امریکہ میں تقریباً دو صدیوں تک نسل پرست اور قوم پرست گروہ اقلیتی نسلی و ثقافتی گروہوں کو تشدد کا نشانہ بناتے رہے۔ اسی طرح پوری تاریخ میں باغی مذہبی گروہ اور روحانی فرقے ڈرانے دھمکانے، خوف پھیلانے اور زبردستی عقائد کو ترک کرانے اور مذہب کی تبدیلی کے لئے جنگیں اور تشدد پھیلاتے رہے ہیں۔

ہمارے اس دور میں بھی پوری دنیا میں پرتشدد انتہاپسندی اپنی مختلف شکلوں میں سرگرم نظر آتی ہے۔ تاہم مذہب کے زیر اثر پرتشدد انتہاپسندی کئی معاشروں کے امن و استحکام کے لئے ایک بڑے خطرے کے طور پر ابھر کر سامنے آئی ہے۔ داعش ہو یا بوکوحرام، پاکستانی طالبان ہوں یا القاعدہ، دنیا بھر میں کام کرنے والے یہ پرتشدد انتہاپسند گروہ بین الاقوامی اور قومی سلامتی کے لئے براہ راست خطرہ بنے ہوئے ہیں، جو بچوں، بڑوں، شہریوں، فوجیوں، سب کو بے دریغ اور بے رحمی سے نشانہ بناتے ہیں اور دنیا بھر میں امن، استحکام، تنوع اور انسانی حقوق کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اسی طرح یورپ اور شمالی امریکہ میں موجود دائیں بازو کے، تقلید پسند گروہ منافرت پر مبنی تقریر اور پرتشدد حملوں کے ذریعے مسلمان شہریوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

پرتشدد انتہاپسند گروہ بین الاقوامی سطح پر معاونت کے نیٹ ورکس اور روابط استوار کرنے میں بھی خاصی مہارت حاصل کرچکے ہیں۔ ان گروہوں کی کارروائیاں اور ان کے ڈھانچے جدید ابلاغی ٹیکنالوجیز مثلاً کسی مرکز کے بغیر کام کرنے والے سوشل میڈیا کے پلیٹ فارموں کے پھیلاؤ اور ان کے نفوذ کی وجہ سے پیچیدہ شکل اختیار کرچکے ہیں۔ ان ابلاغی ذرائع کی بدولت یہ گروہ ریاستی باز پرس اور سکیورٹی انتظامیہ کی زد میں آئے بغیر دنیا بھر میں اپنے بھرتی چینل اور رابطے چلا رہے ہیں۔ ان گروہوں کی سرگرمیوں کی پیچیدہ نوعیت اور خطرے کی شدت کا اندازہ پاکستان، ترکی، فرانس اور بلجیم میں ہونے والے دہشت گردی کے حالیہ المناک

SDG's and Violent Extremism

In September last year, the United Nations passed a momentous new agenda for global development, called Sustainable Development Goals (SDGs). Approved by all nations as the new global development priorities till 2030, the SDGs provide an expanded framework for targeting global development, and have established measurable benchmarks for countries to track and assess their progress. Recognizing that one of the most important developmental and security challenges facing several countries is the rising menace of violent extremism, SDG 16-"Promote just, peaceful and inclusive societies"- was passed as a sustainable solution to effectively address this challenge through improving societal structures of governance and social cohesion.

Building blocks for preventing violent extremism

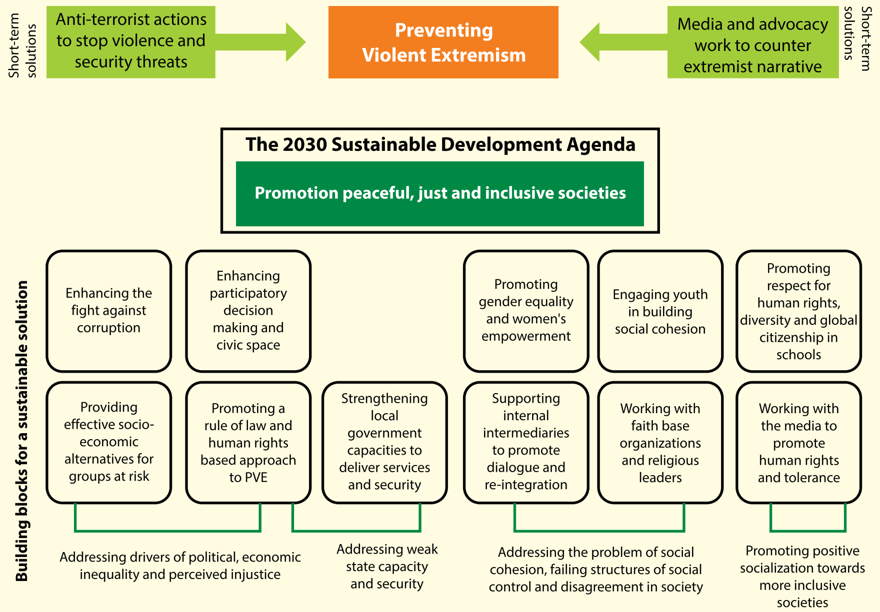

(Source: UNDP, "Preventing Violent Extremism through Inclusive Development and Promotion of Tolerance and Respect for Diversity: A development response to addressing radicalization and violent extremism")

واقعات سے لگایا جا سکتا ہے۔

عالمی امن وسلامتی کے لئے پرتشدد انتہاپسندی ایک بڑے چیلنج کے طور پر سامنے آئی ہے۔ پرتشدد انتہاپسند زیادہ تر کسی ٹھوس شکل میں نہیں ہوتے اور یہ بڑی تیزی کے ساتھ خود کو نئی جگھوں اور مختلف شناختوں کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ حالیہ شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرتشدد انتہاپسند گروہوں میں غیر ملکی جنگجوؤں اور ارکان کا بہاؤ سو سے زیادہ مما لک میں پھیل چکا ہے اور ان میں 70 فیصد اضافہ دیکھنے کو ملتا ہے۔[5] اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے اس دور میں پرتشدد انتہاپسند گروہ صحیح معنوں میں عالمی نوعیت کا خطرہ پیدا کرتے ہیں۔

پاکستان عالمی اور مقامی پرتشدد انتہاپسند گروہوں کے لئے ایک فرنٹ لائن میدان جنگ کے طور پر سامنے آیا ہے۔ بالخصوص گزشتہ دو دہائیوں کے عرصے میں ملک عالمی وعلاقائی، مذہب کے زیر اثر پرتشدد انتہاپسندی کے ایک ایسے گرداب میں الجھ گیا ہے جس نے ملکی امن، سلامتی اور استحکام کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ 2001 میں ناٹو فورسز کی طرف سے افغانستان پر حملے سے اب تک پاکستان میں پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی موجودگی، ان سے درپیش خطرات اور ان کی سرگرمیوں میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔

پاکستانی ریاست تحریک طالبان پاکستان جیسے مقامی انتہاپسند گروہوں کی زد میں ہے جو دنیا بھر میں سرگرم مذہب کے زیر اثر انتہاپسند گروہوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پاکستان کے مقامی پرتشدد انتہاپسند گروہوں نے ریاست کے خلاف بغاوت کر رکھی ہے اور وہ ریاستی ڈھانچوں اور قوانین کو تہ وبالا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اپنے ان مقاصد کی جستجو میں اور پرتشدد انتہاپسندی کے عصری نقوش کے زیر اثر یہ گروہ ریاستی ونجی املاک، سکیورٹی فورسز، سرکاری عہدیداران اور معصوم شہریوں سب کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی کے خطرے کی ایک وحشیانہ مثال دسمبر 2014 میں پشاور کے ایک سکول میں 130 سے زائد معصوم بچوں کا بہیمانہ اور غیر انسانی قتل ہے۔[6]

اعداد و شمار اپنے طور پر پاکستان میں تشدد و دہشت گردی کی اندوہناک کہانی سناتے ہیں۔ گزشتہ تیرہ سال کے عرصے میں ملک میں ساٹھ ہزار سے زائد افراد اپنی جانیں کھو چکے ہیں جن میں دہشت گرد اور باغی بھی شامل ہیں۔ ملک میں جاری دہشت گردی کے بے روک چکر میں اس سے کئی گنا زیادہ افراد زخمی ہو چکے ہیں اور صدمے کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ مثال کے طور پر غیر مسلم اقلیتی گروہ اور اقلیتی فرقے مثلاً اہل تشیع انتہاپسند گروہوں کے ہاتھوں بے دریغ قتل و غارت کی زد میں ہیں۔ یہی حال منافرت، عدم برداشت اور امتیاز میں لپٹے انتہاپسندانہ بیانیہ اور اقدار کے پھیلاؤ کا ہے۔ پرتشدد انتہاپسندی پاکستانی ریاست کی بقاء کے لئے ایک بنیادی خطرے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی اور دہشت گردی کے اعتبار سے پاکستان کا تجربہ اس لحاظ سے زیادہ کٹھن اور خطرناک ہو جاتا ہے کہ یہ ملک آبادیاتی نوعیت کی تبدیلی کے عمل سے گزر رہا ہے۔ پاکستان میں نوجوانوں کا تناسب اس وقت خاطر خواہ حد تک نمایاں ہے اور تقریباً 60 فیصد آبادی تیس سال سے کم عمر ہے۔ نوجوانوں کے اس بڑھتے تناسب کی بدولت منفرد مواقع اور مشکلات دونوں پیدا ہو رہے ہیں۔ پاکستان اپنے نوجوانوں کو تعمیری شہریت کی نئی راہیں فراہم کرنے کے علاوہ ترقی اور سماجی، اقتصادی و سیاسی فعالی تک رسائی فراہم کر سکتا ہے۔ تاہم اس کے برعکس ترقی اور سماجی، سیاسی و اقتصادی شمولیت کے مواقع کی غیر موجودگی نوجوان پاکستانیوں کو ملک میں جاری تشدد، انتہاپسندی اور تنازعات کا حصہ بننے کے خطرے سے دوچار کرتی ہے۔[7]

پاکستان کی یہ کٹھن صورتحال اس بناء پر مزید دوچند ہو جاتی ہے کہ ملک اس وقت مستحکم، منصفانہ اور موثر ریاستی اداروں کی ترویج، دیرپا سماجی و اقتصادی اور سیاسی ترقی کے حصول کے لئے مسلسل سرگرم عمل ہے۔ پرتشدد انتہاپسندی براہ راست اس عمل میں مخل ہوتی ہے اور ملک میں ترقی، امن وخوشحالی کے ممکنات کو محدود کر دیتی ہے۔ ملک کے اندر اور باہر سرگرم پرتشدد انتہاپسند گروہ ریاستی اداروں پر حملے کرتے ہیں، اداروں کو تباہ کرتے ہیں، خوف پھیلاتے ہیں اور امن وخوشحالی کے قیام کے لئے ریاست کی استعداد کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اگرچہ گزشتہ چند ماہ کے دوران ریاست نے فوجی اور سکیورٹی کارروائیوں کے ذریعےس خطرے سے نمٹنے کے لئے سنجیدہ اور انتھک کوششیں کی ہیں لیکن ملک میں پرتشدد انتہاپسندی کے محرکین سے موثر طور پر نمٹنے کے لئے ابھی مزید بہت کچھ کرنے کی ضرورت باقی ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی کے محرکین

پرتشدد انتہاپسندی کے بنیادی اسباب نہ صرف کثیر رخی اور پیچیدہ ہیں بلکہ ڈھانچہ جاتی اور مائیکرو سطح کے حالات سے جڑے ہیں۔ اسی طرح بعض محرکین کا تعلق زمان ومکان سے بھی بنتا ہے اور یہ انفرادی سطح پر ریڈیکلائزیشن پھیلانے کے لئے کام کرتے ہیں۔ بعض عوامل درمیانی اور طویل مدتی نوعیت کے ہیں جو بڑے پیمانے پر ایسے حالات اور قوتوں کو جنم دے سکتے ہیں جو پرتشدد انتہاپسندی پیدا کرنے اور اسے دوام بخشنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ متعدد بین الاقوامی اور قومی کرداران عوامل اور حالات کو بے نقاب کرنے کی کوششیں کر چکے ہیں جو پرتشدد انتہاپسندی کو بھڑکانے اور اس میں اضافے کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ دنیا بھر میں پرتشدد انتہاپسندانہ ماحول میں کام کرنے والی مختلف تنظیموں نے ایسے شواہد، تجربات اور تجزیئے جمع کئے ہیں جو تشدد کے مختلف محرکین کی نشاندہی میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

تشدد کے محرکین کو سمجھنے کا ایسا ہی ایک آسان تجزیاتی طریقہ یہ ہے کہ انہیں دو مختلف کیٹیگریز میں الگ الگ کر لیا جائے۔ پہلی، وہ بنیادی کیٹیگریز ہیں جنہیں دھکیلنے والے ڈھانچہ جاتی عوامل کا نام دیا جا سکتا ہے۔ یہ عوامل ریاستی وثقافتی اداروں، سماجی، اقتصادی وسیاسی ڈھانچوں، عوامی میدان میں ہونے والی بحثوں اور بیانیہ کے علاوہ نظام کے سیاق سباق اور حالات سے جڑے ہوتے ہیں۔ یہ محرکین پیچیدہ، کثیر رخی اور آپس میں الجھے ہوئے ہیں اور ’’تاریخی، سیاسی، معاشی اور سماجی حالات کی پیداوار ہیں جن میں طاقت کی علاقائی و عالمی سیاست کی سرگرمیاں اور اس کے اثرات بھی شامل ہیں‘‘۔[8] پرتشدد انتہاپسندی کے درج ذیل محرکین کا تعلق اسی کیٹیگری کے بنیادی اسباب میں ہوتا ہے:

ریاست اور طرز حکمرانی کی ناکامیاں: جائز قانونی ریاستوں کو اپنی ملکی سیاست میں کام کرنے کی خودمختاری حاصل ہوتی ہے اور وہ ان کاموں کے لئے درکار ادارہ جاتی ڈھانچے تشکیل دیتی ہیں یعنی اجتماعی غور وخوض اور سیاسی عمل میں شمولیت کے لئے دیرپا پلیٹ فارم فراہم کرنا۔ سماجی، اقتصادی اور سیاسی وسائل تک رسائی اور ان کی تقسیم یقینی بنانا۔ امن واستحکام کے لئے ہمہ گیر حالات پیدا کرنا۔ تاہم جب ریاستیں ان بنیادی فرائض کی بجا آوری میں پیچھے رہنے لگیں تو وسائل کی ملکیت اور تقسیم پر عدم مساوات جڑیں پکڑنے لگتی ہے جو مختلف طبقات کے درمیان طاقت کے فرق کو جنم دیتی ہے۔ نتیجتاً جب ریاستیں کمزور اور ناکام ہوتی ہیں تو

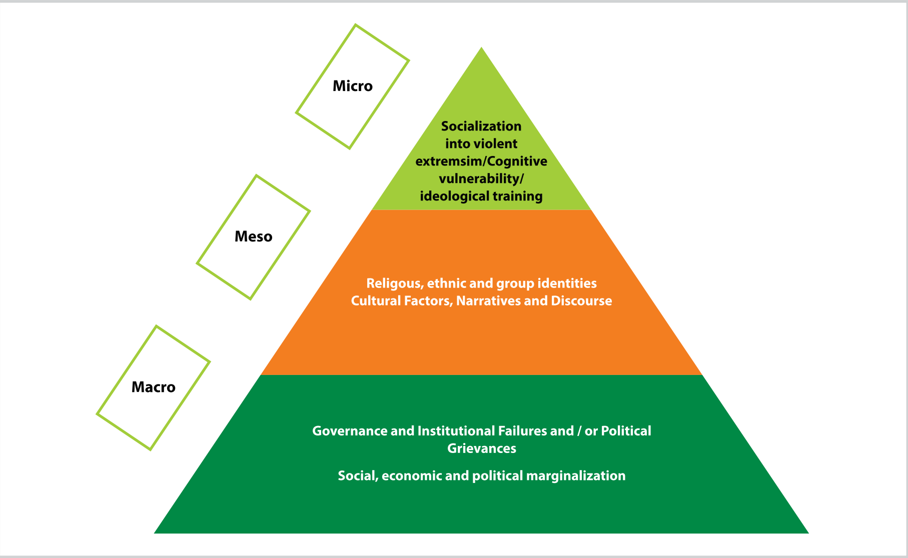

Theoretical Model of the Drivers of Violent Extremism

5. UN Secretary General's Remarks at Leaders' Summit Countering Violent Extremism, New York, September 29th 2015
6. Zahir Shah Shirazi, Mateen Haider, Hassan Jahangiri, abdul Hakim, "Militant siege of Peshawar school ends, 141 killed," DAWN 16 December 2014. Available at http://www.dawn.com/news/1151203
7. South Asia Terrorism Portal: http://www.satp.org/satporgtp/countries/pakistan/database/casualties.htm
8. UNDP, "Preventing Violent Extremism through Inclusive Development and Promotion of Tolerance and Respect for Diversity: A development response to addressing radicalization and violent extremism"

اس کا پہلا نشانہ موثر طرز حکمرانی بنتی ہے یعنی بنیادی عوامی خدمات کی فراہمی میں ناکامی اور قیام امن اور رفراہمی انصاف کے نظام کی ناکامی۔ بنیادی عوامی خدمات کی فراہمی میں ناکامی ایک ایسے خلاء کو جنم دیتی ہے جس پر پرتشدد انتہا پسند گروہ اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور وہ عوام کو اشیاء، فلاحی خدمات اور متبادل راستے پیش کرنے اور فراہم کرنے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ معاشرے کے انتہائی محروم طبقات کو خاص طور پر ہدف بناتے ہیں۔ فراہمی انصاف کے نظاموں کی ناکامی یا عدم فعالی سے ریاست پر اعتماد کو ٹھیس پہنچتی ہے اور پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو فراہمی انصاف کے متبادل نظام قائم کرنے کا موقع مل جاتا ہے جس کے لئے وہ اکثر تشدد اور انصاف کے اصولوں کی گردن زنی کا طریقہ اپناتے ہیں۔ اسی طرح جب ریاست سلامتی فراہم کرنے اور امن وامان قائم کرنے کے قابل نہ رہے تو پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے لئے آزادانہ طور پر کام کرنے، اپنے نظام مسلط کرنے اور تشدد پر اجارہ داری کے ساتھ سب سے موثر اور طاقتور کردار کے طور پر اپنے گروہوں میں لوگوں کو شامل کرنے کے لئے مراعات دینے کا موقع مل جاتا ہے۔

ریاست کی ناکامیاں ریاستوں کی طرف سے کئے جانے والے ایسے خفیہ اقدامات اور ان کی طرف سے اپنائی جانے والی ان پالیسیوں کی صورت میں بھی ظاہر ہوسکتی ہیں جو بڑے پیمانے پر پرتشدد انتہا پسندی کو جوڑنے کی راہ ہموار کرتی ہیں۔ بالخصوص ریاستیں اگر سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے تشدد کا راستہ اپنانے والے مذہبی، سیاسی وعسکریت پسند کرداروں اور گروہوں کے وجود کی راہ ہموار کریں، ان کے معاملے میں اغماض برتیں یا انہیں برداشت کرنے لگیں تو عین ممکن ہوتا ہے کہ پرتشدد انتہا پسندی تیزی کے ساتھ سرطان نما چیلنج کی شکل اختیار کرسکتی ہے۔ جہاں ریاستیں پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو ملکی وغیر ملکی مخالفین کے خلاف پراکسی کے طور پر استعمال کرنے لگیں تو وہاں پرتشدد انتہا پسندی سے سلامتی وترقی کے لئے پیدا ہونے والی مشکلات جلد قابو سے باہر ہوسکتی ہیں۔

ریاستی مظالم اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیاں: ریاست کی طرف سے انسانی حقوق اور بنیادی انسانی وقار کی بالواسطہ یا بلاواسطہ خلاف ورزیاں یا غیر ریاستی کرداروں کی طرف سے اس طرح کا طرز عمل اپنانے سے جائز شکایات کے حامل متاثرین پیدا ہوتے ہیں۔ یہ شکایات تیزی سے انتقام کی خواہش کی شکل اختیار کرسکتی ہیں جسے پورا کرنے کے حقیقی اور بامعنی راستے پرتشدد انتہا پسند گروہ ہی فراہم کرتے ہیں۔

دائمی تنازعہ اور عدم سلامتی: تنازعات ریاستوں کو عدم استحکام سے دوچار کرتے ہیں اور ریاستوں کی کلاسیکی ناکامی کی تمام علامات پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ علاوہ ازیں عدم سلامتی اور تشدد جان ومال کو نقصان پہنچانے کے لئے درکار وسائل اور تشدد تک آسان رسائی کا موقع پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے سیاق وسباق میں پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو تنازعات میں شریک ہونے، انہیں پیچیدہ بنانے اور دوام دینے کے لئے خاطر خواہ گنجائش مل جاتی ہے۔

جڑوں تک پھیلی کرپشن اور کسی سزا سے بالاتر اشرافیہ: افراد اور اداروں کی جڑوں میں پھیلی کرپشن کے ساتھ ایک خاص طبقے کے سزا سے بالاتر ہونے اور احتساب کی غیر موجودگی جیسے مسائل آپس میں مل جائیں تو یہ پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو اپنے پاؤں جمانے کے لئے دو طرح کے مواقع فراہم کر سکتے ہیں۔ پہلا، کرپشن کے دور دورہ اور احتساب وشفافیت کے فقدان سے پرتشدد انتہا پسندوں کو ایک طرف ریاست اور اس کے اداروں کے خلاف بیانیہ کو پھیلانے کا موقع مل جاتا ہے اور دوسری جانب وہ اپنے آپ کو اور اپنے مقاصد کو ریاست اور اشرافیہ کی ''غیر اخلاقی روش'' کے جائز متبادل کے طور پر پیش کرنے لگتے ہیں۔ دوسرا، نظام میں پائی جانے والی کرپشن سے پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو مواقع میسر آ جاتے ہیں کہ وہ اپنے کام کرنے کی گنجائش اور وسائل حاصل کرنے کے لئے جرائم پیشہ اور قانون شکن نیٹ ورکس اور گینگوں کے ساتھ اتحاد اور روابط استوار کرسکیں۔

سماجی محرومی اور انتشار: سماجی محرومی اور منتشر شناخت کی شکل میں بے دخلی اور اخراج پرتشدد انتہا پسند گروہوں اور بیانیہ کو آگے بڑھانے اور انہیں دوام دینے کے لئے طاقتور ڈھانچہ جاتی قوتوں کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ریاست اور ثقافتی ادارے جب شمولیت کے مواقع بہتر بنانے اور معاشرے کے ساتھ تعلق کا احساس پیدا کرنے میں ناکام ہو جائیں تو افراد پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے جھانسے میں آنے، ریڈیکلائزیشن کا شکار ہونے اور ان میں بھرتی ہونے کے خطرے سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

مقامی وعالمی سطح پر ثقافتی خطرے پر مبنی بیانیہ: پرتشدد انتہا پسندی کا یہ محرک عوام کے نزدیک ان گروہوں کے مرتبے، ان کی طرف سے پھیلائے جانے والے پیغامات اور بھرتی کے لئے استعمال کئے جانے والے بیانیہ میں خاص طور پر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر محکومیت کے ہاتھوں بقاء کو درپیش خطرات پر مبنی بیانیہ متوقع بحران، ناانصافی اور مظالم کا احساس پیدا کرسکتا ہے۔ پرتشدد انتہا پسند گروہ مقامی اور عالمی سطح پر اس محرک کو بروئے کار لاتے ہیں۔ مثلاً مقامی سطح پر اقلیتوں، سیکولر گروہوں، میڈیا وغیرہ کے بارے میں ایسی تصویر کشی کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنا غلبہ اور اجارہ داری قائم کرنے اور مذہبی شناخت اور آزادی کو بدلنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ عالمی سطح پر بین الاقوامی کرداروں اور دوسرے ممالک کو ظالم دشمنوں کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے جن کا مقابلہ تشدد اور تنازعہ کی شکل میں کرنا ضروری ہے۔ یہ سارے بیانیے مل کر پرتشدد انتہا پسند گروہوں کو جائز قانونی حیثیت فراہم کر دیتے ہیں۔

پست شرح خواندگی: کیا حصول تعلیم کی پست سطح پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے پھیلاؤ کا باعث بن سکتی ہے؟ مفروضے پر مبنی اس عامل کے حق میں ملنے والے شواہد فی الوقت کمزور نظر آتے ہیں۔ تاہم پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے عالمی پھیلاؤ کو پیش نظر رکھیں تو پست شرح خواندگی والے ممالک اکثر ان گروہوں اور نیٹ ورکس کے لئے بھرتی اور سرگرمیوں کا مرکزی میدان دکھائی دیتے ہیں۔ پرتشدد انتہا پسندی اپنے لئے سازگار بیانیہ کی تشکیل اور اس کے پھیلاؤ پر پھلتی پھولتی ہے۔ علم اور معلومات کے بغیر اور بالخصوص معیاری تعلیم کی عدم موجودگی میں افراد کے لئے ان گروہوں کے پیادے بننے کا خطرہ شدید تر ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس یورپ میں مقامی دہشت گردی اور انتہا پسندی کے ظہور سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر کارندے بنیادی سے اعلیٰ سطح تک مختلف مدارج کی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ یہ صورتحال تعلیم کی کمی کو پرتشدد انتہا پسندی کا محرک قرار دینے کے خلاف جاتی ہے۔

تاہم جو بات اہم بھی ہے کہ مفروضے پر مبنی اس محرک کے معاملے میں پاکستان کے شواہد ملے جلے ہیں۔ تحریک طالبان پاکستان جیسے گروہوں کے لیڈر اور ان کے کارندے زیادہ تر ایسے لوگ رہے ہیں جو برائے نام یا کوئی تعلیمی قابلیت نہیں رکھتے اور جنہوں نے کوئی رسمی تعلیم حاصل نہیں کی۔ اس کے برعکس حالیہ شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ نئے پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے لیڈر اور ان میں بھرتی ہونے والے افراد بالخصوص پاکستان کے شہری علاقوں میں اکثر یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ ہیں اور انہیں یونیورسٹی اور کالج کی سطح پر بھرتی کیا گیا۔[9,10,11,12] پاکستان میں پرتشدد انتہا پسندی پر تعلیم کے اثرات کے حوالے سے ماہرین کے تجزیوں میں نظام تعلیم میں نصاب کے معیار اور مواد پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ تعلیمی اور سماجی ونفسیاتی نظریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیمی نصاب جب بیرونی گروہوں (اقلیتوں یا بیرونی کرداروں) کے معاملے میں تنگ نظری، عدم برداشت اور مخاصمت پر مبنی ہو تو جارحیت، منافرت اور استرداد کا عمومی شعور جڑیں پکڑنے لگتا ہے۔ پاکستان میں پڑھائے جانے والے نصاب کے ڈھانچے اور مواد کی اصلاح کے لئے پرتشدد انتہا پسندی کے اس محرک کا باریک بینی سے تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔

غربت اور بیروزگاری: ہمہ گیر اور مختلف ممالک کے ڈیٹا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرتشدد انتہا پسند گروہ ایسے ملکوں میں پھلتے پھولتے ہیں، کام کرتے ہیں اور سب سے زیادہ نقصان پہنچاتے ہیں جہاں غربت کی سطح بلند ہو، آمدنی کم ہو اور ہر طرف بیروزگاری ہو۔ پرتشدد انتہا پسندی کے اضافہ میں اپنا حصہ ملانے والے ایک عامل کی حیثیت سے غربت کے کردار پر دنیا بھر کے شواہد کے بارے میں بہترین لفظوں میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ ملے جلے ہیں۔[14] تاہم اور جو بات اہم بھی ہے، پاکستان کے شواہد مفروضے پر مبنی اس تعلق کے خلاف جاتے نظر آتے ہیں۔ ملک سے ملنے والے شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ غریب پاکستانی خاص طور پر شہری غریب

---

9. Alizrh Kohari and Laila Hussain (2015), "Revisiting a confessional jigsaw." Available at http://herald.dawn.com/news/1153213
10. Naziha Syed Ali and Fahim Zaman (2015), "Anatomy of a murder." Available at http://herald.dawn.com/news/1153209
11. Asma Ghani (2016), "Penetration of extremist elements growing in QAU." Available at http://nation.com.pk/newspaper-picks/20-Mar-2016/penetration-of-extremist-elements-growing-in-qau
12. Salman Rafi (2016), "Pakistan's unfinished war on terror." Available at http://atimes.com/2016/03/pakistans-unfinished-war-on-terror/
13. Corinne Graff, "Poverty, Development, and Violent Extremism in Weak States", The Brookings Institutions
14. Harriet Allan, Andrew Glazzard, Sasha Jesperson, Sneha Reddy-Tumu, Emily Winterbotham, "Drivers of Violent Extremism: Hypotheses and Literature Review", Royal United Services Institute

ملک میں سرگرم پرتشدد عسکریت پسند و انتہا پسند گروہوں کے بارے میں منفی رویوں کا اظہار کرتے ہیں خاص طور پر اس صورت میں جب ان کا موازنہ متوسط طبقے کے شہریوں کے ساتھ کیا جائے جہاں ان گروہوں کے بارے میں قدرے پست سطح کی حقارت دیکھنے کو ملتی ہے۔[15]

غریب اور معاشی طور پر کمزور ریاستیں پرتشدد انتہا پسندی، دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خطرے سے دوچار ہوتی ہیں۔ غربت، بیروزگاری اور آمدنی و دولت کی وسیع تفریق ریاست کے معاشی ڈھانچے میں پائی جانے والی نظام کی خامیوں اور عدم مساوات کے پہلوؤں کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ عوامل وسیع تر معاشی محرومی و لاتعلقی، شہریوں میں اوپر کی جانب بڑھنے کی صلاحیت سے محرومی اور وسائل کی تخصیص و تقسیم میں معاشی عدم مساوات پیدا کرتے ہیں اور اسے سامنے لاتے ہیں۔ یہ معاشی حالات دوررس بنیاد پر معاشی گلے شکووں اور دیرپا اخراج کو جنم دیتے ہیں جو مفروضے کے اعتبار سے ایسے حالات پیدا کر سکتے ہیں جن میں پرتشدد انتہا پسند گروہوں اوران کے بیانیہ کے بارے میں ہمدردیاں اور عسکریت پسند گروہوں کے لئے حمایت بڑھتی ہے۔ علاوہ ازیں غربت اور بیروزگاری ایسی معاشی ناکامیاں ہیں جن سے پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے لئے گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنی جگہ بنائیں اور افراد اور گروہوں کو مستحکم، وسائل اور مادی دولت کی وعید دیں۔ معاشی محرومی کے ماحول میں ایسے متبادل طریقوں کے لئے زمین خاصی زرخیز ہوتی ہے۔

دھکیلنے والے ڈھانچہ جاتی عوامل جہاں پرتشدد انتہا پسندی کے پھیلاؤ کے لئے سازگار عمومی حالات پیدا کرنے میں منظّم سطح پر کام کرتے ہیں وہیں کھینچنے والے انفرادی عوامل بھی پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں بھرتی و شمولیت کے سازگار ذرائع کا کام دینے میں اتنے ہی اہم اور بااثر ہیں۔ یہ محرکین چھوٹے پیمانے پر مقامی و انفرادی سیاق وسباق، سماجی سرگرمیوں کی راہوں، تجربات، تعلقات کے نیٹ ورکس اور طرزعمل پر کام کرتے ہیں۔ ان کیٹگریز میں آنے والے لاتعداد محرکین کا کوئی مجموعہ یا یہ محرکین مل کر کام کرتے ہوئے پرتشدد انتہا پسندی کو بھڑکانے کے لئے سازگار ضروری اور خاطر خواہ حالات پیدا کر دیتے ہیں۔

کھینچنے والے عوامل دھکیلنے والے عوامل کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور انفرادی سطح پر افراد کے لئے پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں شامل ہونے کے حالات ومراعات کا سامان کرتے ہیں۔ کھینچنے والے عوامل پر تحریر کئے گئے زیادہ تر مواد اور موجودہ علم میں سماجی اخراج اور ایسی ذاتی و گروہی شناختوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے جو افراد اور گروہوں کو پرتشدد انتہا پسندی کی طرف کھینچنے کے لئے سازگار ماحول پیدا کرتی ہیں۔ ریڈیکلائزیشن ایک ایسا سماجی و نفسیاتی تجربہ ہے جو کھینچنے والے عوامل کا ایک لازمی جزو ہے۔ کھینچنے والے بعض بڑے انفرادی عوامل درج ذیل ہیں:

بیدخلی اور شناخت کا بحران: دنیا بھر میں مختلف ثقافتی سیاق وسباق میں شناخت کے رخنے اور احساس تعلق کی کمزوری مل کر افراد میں لاتعلقی، ناامیدی اور بیدخلی کے احساسات پیدا کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں سماجی و ثقافتی ادارے افراد کو سماجی سرگرمیوں کے موزوں اور صحت مندانہ تجربات فراہم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ پھر افراد، ان کی کمیونٹیز اور اجتماعی ثقافتی تجربات و شناختوں کے درمیان قطع تعلقی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔ مہاجر اور تارک وطن کمیونٹیز خاص طور پر ایسے علاقوں میں اس کی نمایاں مثال ہیں جہاں ریاستیں اور ادارے رواں انداز میں سماج کا حصہ بننے اور اس میں ضم ہونے کی راہیں فراہم کرنے میں ناکام رہیں۔ یہ حالات جب یکجا ہو جائیں تو بیگانگی کا شکار افراد کو ریڈیکلائزیشن کا شکار بننے اور پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں شامل ہونے کے انتہائی خطرے سے دوچار کر دیتے ہیں۔

تعلق کا احساس، خطرات مول لینے، مہم جوئی اور خود کو بااختیار بنانے کی روش: مذکورہ بالا سماجی اخراج، بیدخلی اور شناخت کے بحران سے جڑا ایک اور اثر یہ ہے کہ ایسے افراد بالخصوص نوجوان ایسے ہم خیال حلقوں کی تلاش میں رہتے ہیں جہاں ان کے اندر تعلق کا احساس پیدا ہو اور جو مروجہ سماجی، ثقافتی، اقتصادی اور معاشی نظاموں کی مذمت کرنے کا ایک باسہولت بیانیہ فراہم کریں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ سیاسی و معاشی اعتبار سے قطع تعلقی کا شکار نوجوان مرد اور عورتیں خاص طور پر انتہا پسند گروہوں کی کھولی ہوئی متبادل راہوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ حالات جب یکجا ہو جائیں تو افراد اپنے آپ کو ایسے گروہوں اور سرگرمیوں میں ضم کرنے کے لئے پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں شامل ہونے کی طرف مائل ہوتے ہیں جو بظاہر انہیں معاشرے کی سلامتی و ترقی کو چیلنج کرتے ہوئے اور اسے نقصان پہنچاتے ہوئے خطرات مول لینے اور مہم جوئی کا موقع فراہم کریں۔ اسی طرح عسکریت پسند گروہوں میں شامل ہونے سے محرومی و بیگانگی کا شکار افراد میں اپنی ذات کے بااختیار ہونے کا ایک احساس جنم لیتا ہے جو عارضی طور پر ان کی انا کو تسکین پہنچاتا ہے اور انہیں ایسے طریقوں تک رسائی مہیا کرتا ہے جو ان کے نزدیک ان کی کمیونٹیز میں تبدیلی کے معمار ہوتے ہیں۔

مادی وسائل تک رسائی: کئی صورتوں میں عسکریت پسند نیٹ ورکس اور انتہا پسند گروہوں میں شمولیت مادی وسائل تک براہ راست اور آسان رسائی مہیا کر دیتی ہے جو بصورت دیگر بھرتی ہونے والے ان افراد کی زندگی میں ناپید ہوتے ہیں۔ پیسہ اور مادی آسائش ان مراعات کا ایک رخ ہیں۔ ہتھیاروں، گاڑیوں تک رسائی اور نقل وحرکت کی آزادی ایسے مادی وسائل تک رسائی کی انفرادی ضرورت کو پورا کرتی ہے جو اسے ایک ثقافتی و سماجی رتبہ عطا کرتے ہیں۔

سماجی سرمایہ اور ذاتی شہرت وعظمت کے حصول کے مواقع: پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں شمولیت، خاص طور پر ایسے معاشروں میں جہاں ان گروہوں کو نقل وحرکت اور اپنی سرگرمیوں کی آزادی حاصل ہے، ان کے ارکان کو ایک سماجی رتبہ عطا کر دیتی ہے اور نقل وحرکت کے ایسے مواقع فراہم کرتی ہے جو بصورت دیگر ان کی پہنچ اور رسائی سے باہر ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں شناخت کے شدید بحران اور نفسیاتی دباؤ سے دوچار کئی افراد کے لئے پرتشدد انتہا پسند گروہوں میں شمولیت ذاتی عظمت وشہرت کا سامان بھی کرتی ہے۔

سماجی نیٹ ورکس: پرتشدد انتہا پسند گروہ اپنی بھرتی کے طریقوں کو ذاتی نوعیت کے میل جول اور انفرادی اثر ورسوخ کے ذریعے دوام دیتے ہیں۔ ایسے افراد بالخصوص نوجوانوں کے بارے میں سوچیں جو شناخت کے بحران کا شکار ہیں، جو مدتوں سے امتیاز اور محرومیاں بھگت رہے ہیں، اور جو سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ پھر ان کا واسطہ ایسے رشتے داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کے ساتھ پڑتا ہے جن کے دلوں میں پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے لئے پہلے ہی نرم گوشہ موجود ہے۔ تواتر کے ساتھ بار بار پیدا ہونے والی اس صورتحال میں مایوسی اور عدم اطمینان کا شکار یہ افراد پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے ارکان (جو اکثر کرشماتی شخصیت کے حامل لیڈر یا کوئی دیگر ارکان ہوتے ہیں جو ریڈیکلائزیشن کا شکار افراد کے سماجی نیٹ ورک کا حصہ ہوتے ہیں) کے جھانسے میں آجاتے ہیں۔ بنے بنائے بیانیہ کو استعمال کرتے ہوئے خیالی گلے شکووں کو ہوا دی جاتی ہے اور مادی، روحانی اور سماجی و ثقافتی انعامات کو گروہ میں شامل ہونے کی مراعات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

بیانیہ، لٹریچر اور عوامی بحثیں: پرتشدد انتہا پسند گروہ ایسا سہل بیانیہ تیار کرتے ہیں اور اسے پیش کرتے ہیں جو کسی ایسے دشمن کی نشاندہی کرتا ہے اور اسے چیلنج کرتا ہے جس سے آپ کی بقاء کو خطرہ لاحق ہو، خیالی گلے شکوے گھڑتے ہیں اور ظلم وناانصافی کا احساس پیدا کرتے ہیں اور انتقام کے طور پر تشدد کی راہ اپناتے ہیں۔ ایسے ملکی و غیرملکی کردار جنہیں لوگ اپنا دشمن سمجھتے ہوں، ان سے متعلق سازشی قصے رائے عامہ میں نرمی اور پرتشدد انتہا پسند گروہوں کے لئے ہمدردی پیدا کرتے ہیں۔ داعش جیسے دور حاضر کے پرتشدد گروہوں کی ابلاغی حکمت عملی نے صورتحال کو مزید پیچیدہ کر دیا ہے۔ یہ گروہ میڈیا کی نئی ٹیکنالوجیز کو اپنانے میں پیش پیش ہیں اور ثقافتی و قومی سرحدوں سے ماورا مذکورہ بالا مشکلات سے دوچار افراد تک جا پہنچتے ہیں۔

پرتشدد انتہا پسندی کے اثرات

عالمی رہنماؤں، ترقیاتی ماہرین اور تدریسی حلقوں میں یہ نقطہ نظر زور پکڑ رہا ہے کہ پرتشدد انتہا پسندی اور دہشت گردی سلامتی و ترقی کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس اتفاق رائے میں یہ ادراک پیدا ہو رہا ہے کہ پرتشدد انتہا پسندی ترقی و سلامتی کے لئے ایسی قلیل اور طویل مدتی مشکلات پیدا کرتی ہے جو امن، استحکام، سماجی یکجہتی اور سماجی و اقتصادی ترقی پر بیک وقت اور منفی اثرات مرتب کرتے ہیں۔

امن وسلامتی

دنیا بھر میں پرتشدد انتہا پسندی کا فوری اثر جس کی نشاندہی سب سے پہلے کی جاتی ہے، بین الاقوامی اور قومی امن وسلامتی کے لئے پیدا ہونے والا سنگین خطرہ ہے۔ داعش، القاعدہ اور بوکوحرام جیسے پرتشدد انتہا پسند گروہ معصوم بچوں اور بڑوں کو بے رحمانہ اور بلاامتیاز نشانہ بناتے ہیں اور یوں امن، انصاف اور انسانی وقار کی آفاقی اقدار کو براہ راست نقصان پہنچاتے ہیں۔[16] اس وقت کئی پرتشدد انتہا پسند گروہ قومی سرحدوں سے ماورا پھیلے اپنے نیٹ ورکس کے ذریعے اپنی بین الاقوامی موجودگی یقینی بنا چکے ہیں اور اپنے ہدف پر آنے والی کمیونٹیز کو بے رحمانہ تشدد کا نشانہ بنا

15. Christine Fair, Graeme Blair, Neil Malhotra, Jacob Shapiro, "Poverty and Support for Militant Politics: Evidence from Pakistan", http://www.sas.upenn.edu/~neilmal/poverty.pdf
16. UN Secretary General's Remarks at Leaders' Summit Countering Violent Extremism, New York, 29th September, 2015. Available at http://www.un.org/sg/statements/index.asp?nid=9058

رہے ہیں، اپنی بقاء کے لئے غیر قانونی معیشتیں کھڑی کر رہے ہیں اور آمدنی و دولت کے ذرائع پیدا کر رہے ہیں۔

اس چیلنج پر ریاستی ردعمل بہترین انداز میں باور کراتا ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی سلامتی اور امن و استحکام پر اپنے منفی اور ضرر رساں اثرات مرتب کر رہی ہے۔ ریاستیں ان گروہوں کے جواب میں ملکی سیاست اور پالیسیوں کی چھان بین کر رہی ہیں اور انتہاپسند گروہوں اور ان کے ارکان کو ختم کرنے کے لئے قومی و بین الاقوامی کوآرڈینیشن کے تحت فوجی، خفیہ اور سکیورٹی کارروائیاں کر رہی ہیں۔ پاکستان میں تحریک طالبان پاکستان، شام و عراق میں داعش، نائیجیریا میں بوکوحرام اور صومالیہ میں الشباب کے خلاف فوجی کارروائیاں پرتشدد اور انتہاپسند عسکری گروہوں کی طرف سے سلامتی کو درپیش خطرات اور ان کی پرتشدد کارروائیوں پر فوجی جواب کی کچھ مثالیں ہیں۔ پرتشدد انتہاپسندی تنازعہ کے ماحول میں پھلتی پھولتی ہے اور تشدد، جنگ و جدل، خونریزی اور تنازعہ کے چکر کو دوام دیتی ہے۔ سینکڑوں ہزاروں معصوم شہری پرتشدد انتہاپسند گروہوں کے ہاتھوں اور ان خطرات کے جواب میں کی جانے والی فوجی کارروائیوں کے دوران لقمہ اجل بن چکے ہیں۔ پاکستان میں انتہاپسند گروہوں کے تشدد میں ساٹھ ہزار سے زائد شہری، فوجی اور باغی اپنی زندگیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔

پرتشدد انتہاپسندی کی افزائش ترقی کے ثمرات کو ڈرامائی حد تک بے ثمر بنانے کا باعث بنی ہے اور آئندہ چند دہائیوں میں دنیا کے کئی معاشروں کے لئے ترقیاتی عمل کو روکنے اور اسے زبوں حالی کا شکار بنانے کا خطرہ پیدا کر رہی ہے۔[17] عراق اور شام جیسی ریاستوں میں پرتشدد انتہاپسندی کی وجہ سے تباہ کن خانہ جنگی چھڑی ہے جبکہ نائیجیریا اور پاکستان میں ملکی امن، استحکام اور معاشی امکانات مسلسل خطرات سے دوچار ہیں۔ پرتشدد انتہاپسندی ایک طرف سلامتی کے فوری خطرات کو ہوا دیتی ہے تو دوسری جانب یہ متاثرہ کمیونٹیز اور معاشروں کی سماجی و اقتصادی ترقی پر سنگین اثرات مرتب کرتی ہے۔

ترقی پذیر اور کم آمدنی والے ممالک جہاں غربت اور بیروزگاری کی شرح نمایاں ہے، خاص طور پر پرتشدد انتہاپسند گروہوں کے نشانے پر ہیں۔ لہٰذا ان کا ترقیاتی عمل سنگین نقصانات سے دوچار ہو رہا ہے۔ سال 2000 سے اب تک دہشت گردی کے تمام واقعات میں سے صرف سات فیصد او ای سی ڈی سے تعلق رکھنے والے ملکوں میں رونما ہوئے ہیں۔[18] پرتشدد انتہاپسندی کی وجہ سے ترقی کے عمل پر درج ذیل طریقوں سے ضرر رساں اثرات مرتب ہوئے ہیں:

انسانی سلامتی: انسانی سلامتی میں جسمانی تشدد کے ہاتھوں ماحولیات، معاشیات، صحت اور آزادی کے لئے پیدا ہونے والے خطرات شامل ہیں۔ پرتشدد انتہاپسندی سے انسانی سلامتی کے لئے پیدا ہونے والے خطرے اور نقصان میں یہ سبھی اجزاء متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ شواہد سے ظاہر ہے، پرتشدد عسکریت پسند گروہ ملکوں کو معاشی نقصان پہنچاتے ہیں اور یوں آمدنیوں میں کمی آتی ہے، غربت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لوگ تشدد اور جسمانی عدم سلامتی کا شکار ہوتے ہیں اور عمدہ صحت و تعلیم کے مواقع میں کمی آتی ہے۔

انسانی ترقی: انسانی ترقی، ترقی کے بارے میں استعداد پر مبنی ایک ایسی سوچ کا نام ہے جس کے نزدیک ترقی میں گہرے، بامعنی اور متواتر غیر معاشی و غیر آمدن محرکین شامل ہوتے ہیں (اگرچہ یہ ترقی کے اہم اجزاء ہیں)۔ انتہاپسندی پر مبنی دہشت گردی اور عسکریت پسندی متاثرہ/متعلقہ کمیونٹی کی آزادیوں، تنوع، مادی و سماجی وسائل اور معیار زندگی کو محدود اور ختم کر دیتی ہے۔ بلاامتیاز تشدد کے ذریعے پرتشدد انتہاپسند گروہ انسانی ترقی کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

دیرپا اجتماعی ترقی: طویل مدتی بنیاد پر عدم تحفظ کے حالات اور خیالات پیدا کر کے پرتشدد انتہاپسندی دیرپا معاشی ترقی کے حصول کے لئے ریاستوں، کمیونٹیز اور افراد کی صلاحیت کو مخدوش بنا دیتی ہے۔ اس کے ہاتھوں ریاستیں اس قابل نہیں رہتیں کہ وہ افزائش کے لئے ایسی دیرپا اور سب کی شمولیت پر مبنی پالیسیاں آگے بڑھائیں اور ان پر عملدرآمد کریں جو ترقی کے مواقع اور صلاحیتوں کو تمام شہریوں میں برابر تقسیم کریں۔ گزشتہ تقریباً دس سالوں کے دوران پاکستان کے تجربے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی کاروبار اور افزائش کے لئے ناسازگار ماحول پیدا کرتے ہوئے معاشی سرمایہ کاری اور وسائل کو کم کرتی ہے اور یوں تمام شہریوں کے لئے معاشی افزائش کی استعداد میں رکاوٹ آ جاتی ہے۔

مزید برآں، پرتشدد انتہاپسند گروہ ملکی و بین الاقوامی کرداروں اور پارٹنرز کے لئے عدم تحفظ اور خطرات پھیلاتے ہیں اور یوں دیرپا ترقیاتی مقاصد کے حصول کے لئے دستیاب گنجائش اور وسائل کو محدود کر دیتے ہیں۔ قلیل مدتی طور پر اس سے دہشت گرد اور عسکریت پسند گروہوں کے پھیلائے ہوئے تشدد اور تنازعہ کے عالم میں پھنسی کمیونٹیز کے لئے فلاحی امداد اور وسائل تک رسائی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ طویل مدتی لحاظ سے تنازعہ اور تشدد کا شکار علاقوں سے ترقیاتی اور فلاحی کرداروں کا مسلسل اخراج کمیونٹیز کو پسماندگی اور انسانی بحران کے ایک شدید گھناؤنے چکر کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ ترقیاتی استعداد، مواقع، وسائل اور انتخاب کے راستوں کو پرتشدد انتہاپسند آج جو نقصان پہنچاتے ہیں اس سے آئندہ نسلوں کے لئے سب کی شمولیت پر مبنی افزائش کو آگے بڑھانے اور اس کے حصول کی صلاحیت کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

غربت، بیروزگاری اور افزائش: تشدد اور عدم تحفظ کا ماحول معاشی افزائش کے لئے زہر قاتل ہے۔ پرتشدد انتہاپسند گروہوں اور دہشت گردی کے بارے میں ڈیٹا سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس (تشدد) کے اثرات کا زیادہ تر بوجھ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک کو جھیلنا پڑتا ہے۔ غربت اور بیروزگاری بھلے پرتشدد انتہاپسندی کو بھڑکانے کا باعث نہ بنتے ہوں لیکن یہ دہشت گرد اور عسکریت پسند گروہوں کے پھیلائے ہوئے ہولناک چکر کا نتیجہ ضرور ہیں۔ عدم تحفظ میں الجھی معیشت میں سرمایہ کاری اور کاروباری سرگرمیاں جیسے جیسے کم ہوتی ہیں اس کا نتیجہ زیادہ بیروزگاری، زیادہ شدید غربت اور معاشی افزائش میں عمودی خط پر کمی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

انسانی حقوق اور قانون کی حکمرانی: پرتشدد انتہاپسند گروہ خوف پھیلانے کے لئے ڈراؤ دھمکاؤ کی ایک تدبیر کے طور پر تشدد کا استعمال کرتے ہیں۔ تاہم پرتشدد انتہاپسند گروہوں کا ایک لازمی اثر انسانی حقوق کی موجودگی اور ان سے استفادہ کے لئے ان گروہوں کی طرف سے پیدا کیا جانے والا شدید نمایاں خطرہ ہے جن میں زندگی، آزادی و سلامتی ہر فرد کا حق، اظہار، نقل و حرکت، انجمن سازی، فکر، سوچ اور مذہب کی آزادی سمیت ہر طرح کے حقوق شامل ہیں۔[19] اسی طرح پرتشدد انتہاپسند گروہ مروجہ ملکی و بین الاقوامی قوانین کو چیلنج کرنے، ان کی خلاف ورزی کرنے اور انہیں مٹانے کے لئے تشدد کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس کا استعمال کرتے ہیں۔

تنوع، سماجی گنجائش، ثقافت اور برداشت: مستحکم اور پرامن معاشروں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ تنوع کی پذیرائی کرتے ہیں۔ پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی گھٹی میں یہ بات شامل ہوتی ہے کہ وہ بالعموم تنوع اور بالخصوص اقلیتوں کو دی جانے والی گنجائش کے مخالف ہوتے ہیں۔ یہ گروہ ایسے پرتشدد نظریات پر پلتے ہیں جو نظریاتی، ثقافتی اور روایتی اعتبار سے عدم برداشت پر مبنی ہوتے ہیں اور جو اقلیتوں کی شناخت کو مٹانے کے درپے رہتے ہیں۔ پرتشدد انتہاپسندانہ نظریات کے پھیلاؤ کا پہلا نشانہ برداشت، تنوع، پرامن بقائے باہمی اور سماجی یکجہتی بنتے ہیں۔

نقل مکانی: پرتشدد انتہاپسندی کے ہاتھوں اس کے متاثرین کے لئے سماجی، اقتصادی اور سیاسی گنجائش سکڑ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عدم تحفظ، عدم استحکام اور تشدد کا پھیلاؤ ان کمیونٹیز کے حالات زندگی مزید بگاڑ دیتا ہے۔ پرتشدد انتہاپسندی کا نشانہ بننے والے دنیا بھر کے لاکھوں افراد آج اپنے گھروں سے بے گھر ہیں۔ عراق اور شام میں داعش نے لاکھوں مہاجرین کو ترکی اور یورپ کی طرف دھکیل دیا ہے اور حالیہ عالمی سیاست میں شدید قسم کا سیاسی، سلامتی اور انسانی بحران پیدا کر دیا ہے۔ خود پاکستان بھی حالیہ سالوں میں شہریوں کی نقل مکانی کا شکار ہو چکا ہے جہاں فاٹا کے پندرہ لاکھ مکین پرتشدد انتہاپسند گروہوں اور ان کی محفوظ پناہ گاہوں کے خلاف ماضی میں ہونے والی اور اس وقت جاری لڑائی اور فوجی کارروائیوں کے نتیجے میں اپنے گھروں سے نقل مکانی پر مجبور ہیں۔[20,21]

پرتشدد انتہاپسندی کا جواب

یوں تو پرتشدد انتہاپسندی کی تاریخ خاصی طویل ہے لیکن حالیہ سالوں میں عالمی پرتشدد انتہاپسند گروہوں کا ظہور اسے حکومتوں، عطیہ دینے والے اداروں، بین الاقوامی تنظیموں اور سول سوسائٹی تنظیموں کے ایجنڈا میں اوپر لے آیا ہے۔ پرتشدد انتہاپسندی کے اثرات کی روک تھام اور ان کی

17. UNDP, Preventing and Responding to Violent Extremism in Africa, Situation Analysis
18. Eelco Kessels and Christina Nemr, "Countering Violent Extremism and Development Assistance: Identifying Synergies, Obstacles and Opportunities"
19. Plan of Action to Prevent Violent Extremism, Report of the Secretary General
20. http://www.internal-displacement.org/south-and-south-east-asia/pakistan/figures-analysis
21. https://www.humanitarianresponse.info/en/system/files/documents/files/february_2016-idp_fact_sheet_29-02-2016.pdf

شدت میں کمی کے لئے شروع کئے گئے ہر طرح کے پروگراموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک کثیر رخی نوعیت کا چیلنج ہے اور اس میں کئی طرح کے مختلف عوامل کارفرما ہیں جنہیں پرتشدد انتہاپسندی کے محرکین اور اس پر اثر انداز ہونے والے عناصر سمجھا جاتا ہے۔

پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام پر ہونے والے حالیہ کام کا زیادہ تر حصہ براہ راست بنیاد پر ہو رہا ہے جو اس خطرے کی ارتقاء پذیر نوعیت کے مطابق چل رہا ہے اور جو پرتشدد انتہاپسندی پر اثر انداز ہونے والے عناصر کے بارے میں علم اور سمجھ بوجھ میں آنے والی بہتری کے ردعمل میں ہو رہا ہے۔ یہ امر ناگزیر ہے کہ ریاستیں، عطیہ دینے والے ادارے اور غیر ریاستی متعلقہ فریق پرتشدد انتہاپسندی کی پیچیدہ نوعیت کے پیش نظر اسے سمجھیں، اسے سلامتی اور ترقی کی راہ میں آنے والی ایک دوسرے سے جڑی مشکلات کے مرکب کے طور پر تسلیم کریں اور اس سے نمٹیں۔

پرتشدد انتہاپسندی پر تشکیل دیئے جانے والے پروگراموں اور جوابی اقدامات میں ریڈیکلائزیشن اور دہشت گردی کے محرکین کا ازالہ استحکام اور ترقی کو درپیش مشکلات کے طور پر کیا جائے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ پرتشدد انتہاپسندی کو بڑی پرت، درمیانی پرت اور چھوٹی پرت میں آنے والے عوامل کے ایک مجموعے کے طور پر دیکھا جائے۔

جدول 1: پرتشدد انتہاپسندی پر جوابی اقدامات

حکمت عملی/اقدام کی نوعیت	تفصیل	اقدام/پراجیکٹ کی مثال	حکمت عملی کے مضبوط/کمزور پہلو
جوابی بیانیہ کے پیغامات	پرتشدد انتہاپسند گروہ تشدد پھیلانے کے لئے ایسے بیانیے تیار کرتے ہیں جن میں گلے شکووں کو مذہبی مواد اور تاریخ کی گمراہ کن تشریحات کے ساتھ ملایا جاتا ہے۔ جوابی بیانیہ کے پیغامات میں ایسی کہانیاں، تصویریں، پیغامات اور بیانیے تیار کئے جاتے ہیں اور پھیلائے جاتے ہیں جو پرتشدد انتہاپسندی پر مبنی بحثوں اور ڈھانچوں کا موثر طریقے سے تدارک کرسکیں اور انہیں مسترد کریں۔	ہدایہ، متحدہ عرب امارات میں قائم ایک بین الاقوامی مرکز ہے جو پرتشدد انتہاپسندی کے تدارک پر مہارتوں اور تجربات کے تبادلے اور بین الاقوامی تعاون کے فروغ کے لئے سرگرم عمل ہے۔ اس مرکز کے ایک پروگرام کے تحت قومی و مقامی کرداروں، سول سوسائٹی، محققین اور کمیونٹی لیڈروں کے درمیان بات چیت کی راہ ہموار کرتے ہوئے ایسے پیغامات پھیلائے جا رہے ہیں جو پرتشدد انتہاپسندانہ پیغامات کا تدارک کرتے ہیں۔	ان گروپوں کی طرف سے استعمال کئے جانے والے بھرتی اور ذاتی نوعیت کے پیغامات اور اثر و رسوخ کی حکمت عملیوں کی پیچیدگیوں کے پیش نظر اس طرز کے اقدام میں ان طریقوں اور پلیٹ فارموں کی جدید اور بہتر شکل کو استعمال کرنا ضروری ہے۔ پرتشدد انتہاپسندوں کی طرف سے اپنائی اور استعمال کی جانے والی پیچیدہ بیانیہ کی ڈھیروں حکمت عملیوں کا تدارک کرنے کے لئے ایک زوردار، موثر اور بااثر جوابی بیانیہ تیار کرنا ازحد ضروری ہے۔
ریڈیکلائزیشن کے خاتمہ کے پروگرام	اس طرز کے اقدامات میں افراد کو وسیع پیمانے پر از سر نو تعلیم دی جاتی ہے (جس میں مذہبی تعلیم بھی شامل ہوتی ہے)، انہیں دوبارہ سماجی سرگرمیوں کا حصہ بنایا جاتا ہے، مطالعاتی دورے کرائے جاتے ہیں، اور ان کے اندر مہارتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ کئی طرح کے یہ طریقے اس سوچ کے تحت اپنائے جاتے ہیں کہ یہ ان افراد میں پائے جانے والے ریڈیکل اور انتہاپسندانہ رجحانات کا توڑ کریں گے اور ایک پرامن شہری کے طور پر ان کی بحالی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں گے۔	حکومت پاکستان کے زیر اہتمام کام کرنے والے ریڈیکلائزیشن کے خاتمہ کے پروگرام مثلاً سبعون سنٹر فار ریہیبلیٹیشن جہاں رکھے جانے والے افراد کو عام تعلیمی نصاب کے مطابق تعلیم دی جاتی ہے، اصلاحی مذہبی تعلیم کے علاوہ پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے، ان کی کونسلنگ کی جاتی ہے اور علاج بھی کیا جاتا ہے۔	ان پروگراموں کی نوعیت اور وسعت محدود ہے کیونکہ ان کے عملی استعمال کا انحصار پرتشدد انتہاپسندانہ رجحانات رکھنے والے افراد کی نشاندہی اور دستیابی پر ہوتا ہے۔
روزگار اور مہارتوں کی تربیت	معاشی محرومی، گلے شکووں کے اثرات اور انسانی سرمایے کی کمی کا توڑ کرنے اور اسے دور کرنے کے لئے آبادی کے پرخطر طبقات کی مہارتیں بہتر بنانے کے کئی پروگراموں پر عملدرآمد کیا گیا ہے۔ یہ مہارتیں حاصل کرنے والے افراد معاشی ڈھانچوں میں کامیابی کے ساتھ ضم ہوسکتے ہیں یا اپنا کاروبار بھی شروع کرسکتے ہیں۔	مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ میں تعلیم، معاشی افزائش اور خوشحالی پر یو ایس ایڈ کے پروگرام۔ ان پروگراموں کے تحت خطے کے نوجوانوں کو ملازمتوں کے حصول کے لئے تربیت دی جا رہی ہے اور ان کی مہارتیں بہتر بنائی جا رہی ہیں۔	ان دونوں نتائج کو معاشی انضمام اور شمولیت کے کامیاب اور مفید تجربات کے طور پر دیکھا جاتا ہے جو معاشی اخراج اور مادی عدم موزونیت میں کمی لاتے ہیں اور اسے ختم کرتے ہیں کیونکہ یہ وہ حالات ہیں جنہیں پرتشدد انتہاپسند گروہ بڑے تواتر کے ساتھ بھرتی کے لئے مختلف لوگوں کو پھانسنے کے طریقے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔
تعلیم	پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی ترجیح اکثر یہ رہی ہے کہ وہ تعلیمی اداروں کے بنیادی ڈھانچے کو تباہ کرتے ہیں اور معاشرے کے لئے دستیاب تدریسی کارکنوں اور وسائل کو نشانہ بناتے ہیں۔ پرتشدد انتہاپسند گروہوں کے اس مذموم، تعلیم کش ایجنڈا کے تدارک کے لئے کئی مختلف کرداروں نے ملک میں تعلیمی مواقع کو وسعت دینے کے لئے موجودہ طبعی ڈھانچے اور انسانی وسائل کی بحالی اور ان میں اضافہ کی کوششیں کی ہیں۔ اس کے علاوہ دستیاب تعلیمی مواقع کے معیار اور موادِ نصاب، اساتذہ کی تربیت وغیرہ کو بہتر بنانے پر بھی کام کیا جا رہا ہے۔	گلوبل کاؤنٹر ٹیررازم فورم (جی سی ٹی ایف) جو قومی تعلیمی پروگراموں کے اصلاحاتی ایجنڈے اور پالیسیاں تشکیل دینے کے لئے حکومتی نمائندوں، تدریسی ماہرین اور دیگر مختلف ماہرین کو یکجا کرتا ہے۔	اس طویل مدتی حکمت عملی کو بچوں اور آئندہ نسلوں میں سماجی سرگرمیوں کے تعمیری تجربات کے ساتھ ساتھ معیاری تعلیم اور برداشت، امن اور تنوع کے بارے میں علم تک رسائی کی فراہمی میں کلیدی حیثیت دی جاتی ہے۔
ثقافتی سرگرمیوں کا احیاء	پرتشدد انتہاپسندی ثقافتی تنوع اور برداشت کے لئے ضرر رساں ہے۔ اس کے جواب میں بعض پروگراموں کے تحت ایسے افراد اور پروگراموں کی مدد کے لئے براہ راست اقدامات کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں جنہوں نے پرتشدد انتہاپسند گروہوں کے پیدا کئے ہوئے خوف اور عدم تحفظ کے باوجود ثقافت کی ترویج اور اس پر ڈائیلاگ کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔	2012-13 میں القاعدہ نے مالی کی پبلک لائبریریاں تباہ کردیں جس کے جواب میں پی اے ٹی - مالی (پروگرام ٹو سپورٹ دی ٹرانزیشن ان مالی) نے سیکنڈری سکولوں اور اساتذہ کو بک کلب قائم کرنے میں مدد دی۔	اس طرز کے پروگراموں کے ذریعے کم سے کم ناگزیر حد تک ثقافتی سرمایے کی تعمیر اور معاونت کی جاتی ہے تاکہ کمیونٹیز کا سماجی و ثقافتی تنوع انتہاپسندانہ خطرات سے محفوظ رہے۔

حکمت عملی/اقدام کی نوعیت	تفصیل	اقدام/پراجیکٹ کی مثال	حکمت عملی کے مضبوط/کمزور پہلو
فروغ امن	پرتشدد انتہاپسندی تنازعات، تشدد، خونریزی اور جنگوں کو دوام دینے سے پھلتی پھولتی ہے۔ ایسی صورتحال میں مقامی کمیونٹیز میں فروغ امن کے وسائل اور نیٹ ورکس کی آبیاری ضروری ہو جاتی ہے۔ فروغ امن کے اقدامات کا مقصد دورخا ہوتا ہے۔ پہلا، ہمہ گیر مقصد یہ ہے کہ معاشروں میں امن و استحکام کو برقرار رکھا جائے اور خوف، عدم تحفظ اور عدم استحکام پھیلانے کے لئے پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی کوششوں کو ناکام بنایا جائے۔ دوسرا، ان اقدامات کے ذریعے مقامی کمیونٹیز اور کارکنوں میں نچلی سطح پر امن برقرار رکھنے کی استعداد بہتر بنانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔	سیڈز آف پیس نیٹ ورک، پاکستان جو نوجوانوں اور خواتین کارکنوں کو دیرپا امن کے فروغ کے لئے اپنی مقامی کمیونٹی کے ارکان کے ساتھ مل کر کام کرنے کی تربیت فراہم کرتا ہے اور انہیں معلوماتی معاونت فراہم کرتا ہے۔	فروغ امن کے کارکنوں کو تربیت اور وسائل کی فراہمی کے ذریعے یہ پروگرام ایسے نیٹ ورکس تشکیل دیتے ہیں جو پرتشدد انتہاپسند، دہشت گرد اور عسکریت پسند گروہوں کی مذموم سرگرمیوں کے خلاف ایک دیوار کا کام دیں۔
عقائد کے اندر اور ان کے درمیان ڈائیلاگ	پرتشدد انتہاپسند گروہ تنگ نظری اور عدم برداشت پر مبنی ضرررساں مذہبی تشریحات پر چلتے ہیں۔ انتہاپسندی کے اس ذریعے کا مقابلہ کرنے کے لئے کئی کردار ثقافتی سرحدوں کے اندر اور باہر مختلف عقائد کے اندر اور ان کے درمیان ڈائیلاگ میں مدد دینے اور ان کی راہ ہموار کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں جس کا مقصد مذہبی اور فرقہ ورانہ گروہوں کے درمیان پرامن بقائے باہمی اور مذہبی برداشت پر اتفاق رائے پیدا کرنا ہے۔	فن چرچ ایڈ نے ہارن آف افریقہ میں کمیونٹی سطح پر مختلف عقائد کے لوگوں کے درمیان ڈائیلاگ اور میل جول میں معاونت فراہم کی۔	

پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام: آئندہ لائحہ عمل

☆ **نوجوانوں کو مرکزی حیثیت دینے والی پالیسیاں اور پروگرام:** درست معاونت، قومی و مقامی توجہ اور سرمایہ کاری کے ساتھ پاکستان کے نوجوان ایک ایسے اہم ترین کردار کی شکل اختیار کر سکتے ہیں جس کے ذریعے ریاست اور معاشرہ پرتشدد انتہاپسندی پر قابو پا سکتے ہیں۔ تاہم اس مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہے کہ حکومت نوجوانوں کو مرکزی حیثیت دینے والی پالیسیاں اپنائے اور نوجوانوں کو سماجی، سیاسی و اقتصادی میدانوں میں بھرپور طور پر فعال کرتے ہوئے ریاستی ڈھانچوں اور اداروں میں ان کی شمولیت اور کردار کو مستحکم بنایا جائے اور اسے فروغ دیا جائے۔

☆ **تحقیق اور شواہد پر مبنی اقدامات:** پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کے لئے اس موضوع پر علم کی صورتحال میں مجموعی طور پر بہتری کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی پر اثرانداز ہونے والے مقامی عناصر کون کون سے ہیں؟ ملک میں پرتشدد انتہاپسند گروہ کس طرح کام کرتے ہیں؟ انفرادی سطح پر کھینچنے والے کون کون سے عوامل ان گروہوں میں بھرتی پر اثرانداز ہوتے ہیں؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کے جوابات ملک میں اس موضوع پر پہلے سے بہتر اور زیادہ تحقیق کے ذریعے ہی دیئے جا سکتے ہیں۔ ریاست اور سول سوسائٹی سمیت متعلقہ فریقوں کو چاہئے کہ وہ شواہد جمع کرنے کے لئے درکار وسائل اور مہارتوں کو یکجا کر کے ایسا ڈیٹا تیار کریں جو ملک میں پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام پر پالیسی میں رہنمائی کا کام دے۔

☆ **متعلقہ فریقوں کی موثر شمولیت اور مینجمنٹ:** پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کے منظرنامے میں ریاستی اور غیرریاستی دونوں کردار شامل ہیں جو ایک ایسی حقیقت ہے جو پاکستان میں درست ثابت ہوئی ہے۔ بالخصوص ریاست نے ملکی پالیسیوں اور سیاست کی چھان بین کی صورت میں اپنا جواب دیا ہے۔ اسی طرح سول سوسائٹی تنظیمیں، مقامی کمیونٹیز، سیاسی کردار، مذہبی رہنما اور میڈیا، سب ملک میں ادارہ جاتی ڈھانچے تشکیل دینے اور سماجی بیانیہ کی تیاری میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ ایسے نظاموں اور پلیٹ فارموں کی ترویج ضروری ہے جن سے ریاستی حکام کو تمام متعلقہ کرداروں کے ساتھ قریبی رابطے میں رہتے ہوئے کام کرنے کا موقع مل سکے۔

☆ **برداشت، رواداری اور تنوع کی حوصلہ افزائی:** ملک کے پرتشدد انتہاپسند گروہوں کی بہت زیادہ توجہ اور سرمایہ کاری تنوع کے خاتمے، اقلیتوں کو ہدف بنانے، اور ملک کی ترقی پسند قوتوں، کرداروں اور وسائل کو مٹانے پر مرکوز ہے۔ یہاں بھی ریاستی و غیرریاستی کرداروں کے درمیان کوآرڈینیشن سے یقینی بنایا جائے کہ اقدار، اصولوں اور اداروں کو تحفظ اور فروغ دیتے ہوئے ملک میں پرتشدد انتہاپسندانہ ایجنڈا اور بیانیہ کا تدارک کیا جائے۔

☆ **تعمیر امن کے نیٹ ورکس کی تعمیر:** پاکستان کو افقی اور عمودی خطوط پر ملک کے مختلف کرداروں اور گروہوں کے درمیان روابط تعمیر کرنے کی کوششوں میں اضافہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس طرح کے نیٹ ورکس جب تشکیل دے دیئے جائیں تو پھر ضروری ہے کہ اختلافات کے تصفیہ، تنازعات کی شدت میں کمی اور سماجی یکجہتی میں اضافے کی مقامی استعداد بہتر بنانے پر وسائل لگائے جائیں۔ ان نتائج کے حصول کا بنیادی طریقہ یہی ہے کہ نچلی سطح کے مقامی کرداروں میں اپنے سماجی حلقوں اور نیٹ ورکس میں تعمیر و فروغ امن کا علم اور استعداد پیدا کی جائے اور اس طریقے سے انہیں بااختیار بنایا جائے۔

☆ **نیشنل ایکشن پلان میں توسیع:** دہشت گردی کے خلاف پاکستان کے نیشنل ایکشن پلان میں فی الوقت ان قوتوں کے خلاف فوری نوعیت کی فوجی، خفیہ اور سکیورٹی کارروائیوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ تاہم سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اس پلان کو توسیع دے کر اس میں طویل مدتی اور سلامتی سے ہٹ کر دیگر پروگرام شامل کئے جائیں جو ملک میں پرتشدد انتہاپسندی کی روک تھام کے لئے کسی بھی طور کم اہم نہیں۔

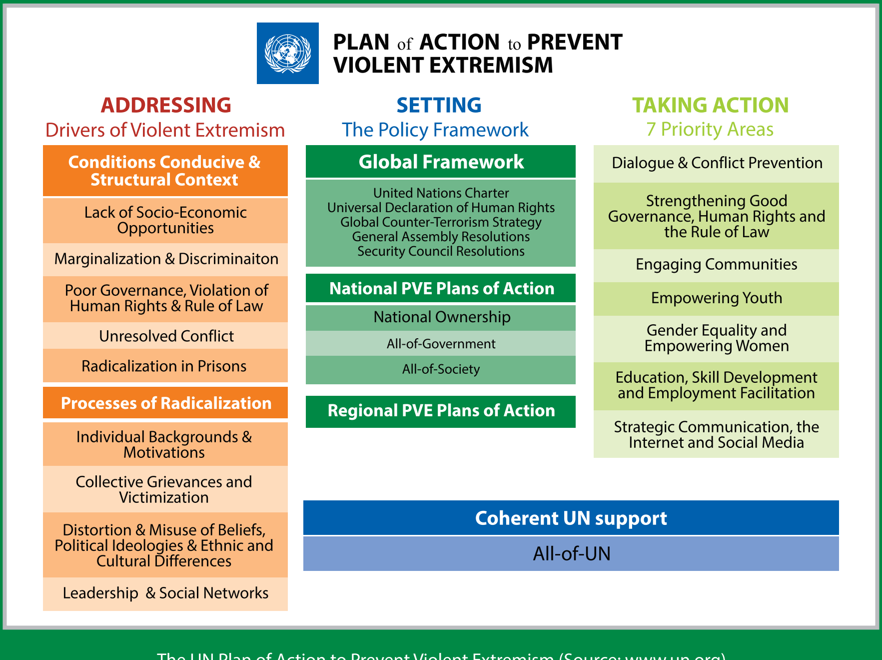

The UN Plan of Action to Prevent Violent Extremism (Source: www.un.org)

پاکستان میں خواتین کی ریڈیکلائزیشن [1]

ڈاکٹر شاہدہ امان

اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ پولیٹیکل سائنس
پشاور یونیورسٹی

پاکستان میں خواتین کی ریڈیکلائزیشن اور اس کی مختلف شکلوں پر پوری طرح تحقیق نہیں کی گئی حالانکہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جب تنازعات کا شکار علاقوں کے اندر اور ان سے باہر خواتین ثقافتی اور روایتی بندشوں کو توڑ کر دہشت گردی نیٹ ورکس کی کارروائیوں میں مرکزی حیثیت کی جانب بڑھ رہی ہیں۔ روس سے اسرائیل تک اور عراق سے ترکی و نائیجیریا تک مرد خودکش حملہ آور کے پرانے تصور کو خواتین خودکش حملہ آوروں کی ایک نئی کھیپ بڑی تیزی کے ساتھ چیلنج کرتی نظر آتی ہے جن کا جارحانہ مزاج اس قدامت پسندانہ سوچ کو بدل رہا ہے کہ لڑاکا کارروائیوں میں خواتین کوئی فعال کردار ادا نہیں کرتیں۔ یہ پرتشدد طرز عمل ایک بہت بڑے اور پیچیدہ مجموعے کی پیداوار ہے جس میں سماجی، نفسیاتی، نظریاتی اور معاشی سبھی عوامل اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ سرمایہ لگانے، لابی سرگرمیاں کرنے، پروپیگنڈہ اور جاسوسی کرنے یا محض ہمدردی رکھنے جیسے تشدد سے ہٹ کر دیگر کرداروں پر نظر دوڑائیں تو ان میں بھی خواتین اور ریڈیکلائزیشن کچھ کم نہیں دکھائی نہیں دیتی۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو دہشت گردی کے اکا دکا حملے ہی ایسے ملتے ہیں جن میں مردوں سے زیادہ عورتیں ملوث تھیں۔ 2001 سے اب تک 400 کے لگ بھگ خودکش حملے ہو چکے ہیں جن میں سے صرف آٹھ واقعات میں خواتین بمباروں نے حصہ لیا۔[2] یہ حملے زیادہ تر پشاور اور ڈیرہ اسمٰعیل خان جیسے شہروں اور مہمند و باجوڑ کی قبائلی ایجنسیوں تک ہی محدود رہے۔[3] بعض خودکش حملوں، جن کی منصوبہ بندی خواتین نے کی، کو سکیورٹی فورسز نے ناکام بنا دیا جن کے نتیجے میں جون 2005 میں سوات اور جنوری 2010 میں دیر کے اضلاع سے متوقع خواتین خودکش حملہ آوروں کو گرفتار کر لیا گیا۔ 2010 میں ہونے والی گرفتاریوں کے نتیجے میں یہ انکشافات ہوئے کہ کالعدم تحریک طالبان پاکستان میں عورتوں کا ایک خودکش سیل بھی موجود ہے۔[4] میڈیا پر یہ خبریں بھی آ چکی ہیں کہ فاٹا پر ڈرون حملوں اور تنازعات کے ہاتھوں اپنے رشتے داروں کا جانی نقصان اٹھانے والی صدمے سے دوچار خواتین جہادیوں کی ایک نئی صف بنانے کی آرزومند ہیں۔ تاہم یہ خبریں برائے نام سی ہیں۔ کچھ عرصہ بعد (2007 میں) لال مسجد اسلام آباد سے ملحق جامعہ حفصہ کی طالبات پولیس اہلکاروں اور مساج پارلر کے ملازمین کو اغوا کرنے، ایک سرکاری عمارت (بچوں کی لائبریری) پر قبضے اور ملک میں نفاذ شریعت کے مطالبات ماننے پر حکومت کو مجبور کرنے کے لئے فدائی حملوں کی دھمکیاں دینے میں ملوث پائی گئیں۔ مدرسے اور مسجد کے خلاف فوجی کارروائی نے ایک نیا سلسلہ شروع کر دیا جس کے نتیجے میں دیگر عسکریت پسند گروہوں کی طرف سے پاکستان میں خودکش حملوں میں بے پناہ اضافہ دیکھنے میں آیا۔

خواتین میں ریڈیکل ازم کے وقفے وقفے سے سامنے آنے والے واقعات اس موضوع کو تدریسی اعتبار سے سمجھنے اور ان وجوہات کا پتہ لگانے کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں جن کے تحت خواتین اپنے روایتی کرداروں سے الگ ہو کر غیر روایتی پرتشدد راہوں پر چل نکلتی ہیں۔ پاکستان میں ریڈیکل ازم اور اس کی انتہائی شکل یعنی دہشت گردی میں خواتین کے کردار کا منظم انداز میں مطالعہ کرنے کی بہت کم کوششیں کی گئی ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خواتین پاکستان کی کل آبادی کا نصف سے بھی زائد ہیں (52 فیصد)۔

پچھلے دنوں پاکستان میں عسکریت پسندی کے حوالے سے مزید پریشان کن بات یہ سامنے آئی کہ ملک میں ''تعلیم یافتہ جہادیوں'' کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ انتہاپسندانہ تشدد کے بعض واقعات پاکستان کے بڑے تعلیمی اداروں بالخصوص یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوانوں سے منسوب کئے جاتے ہیں جن کا تعلق خاصے امیر متوسط اور بالائی متوسط طبقات کے گھرانوں سے تھا۔[5] کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں اشرافیہ کے بعض تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل طلبہ میں خاصا قدامت پسندانہ طرز فکر اور ریڈیکل رجحانات قدرے 'مخفی' اور 'مجہول' انداز میں پنپ رہے ہیں۔[6]

پشاور یونیورسٹی اور یو این ڈی پی کی طرف سے خیبر پختونخواہ کی یونیورسٹیوں میں کئے گئے ایک سروے سے جہاد، جہادی تنظیموں پر پابندی، جہادی تنظیموں میں خواتین کے کردار، ثقافتی و مذہبی رکاوٹوں اور اسلامک سٹیٹ آف عراق اینڈ سیریا (آئی ایس آئی ایس) کی مقبولیت کے حوالے سے طالبات کے خیالات پر دلچسپ معلومات سامنے آئیں۔ ذیل میں مختلف اقسام کے گراف کی صورت میں ریٹنگ سکیلز پر ڈیٹا کے تجزیہ کے بعد اس موضوع پر مختصراً بحث کی گئی ہے۔

---

1 یہ تحریر بنیادی طور پر یو این ڈی پی کے ایک پراجیکٹ سروے سے اخذ کی گئی ہے جو 16-2015 میں شعبہ پولیٹیکل سائنس، پشاور یونیورسٹی کے اشتراک سے کیا گیا۔ اس سروے کے ذریعے ملک میں ریڈیکلائزیشن کے اسباب اور محرکین پر خیبر پختونخواہ کی دس بڑی سرکاری اور نجی یونیورسٹیوں کی طالبات کے خیالات کا جائزہ لیا گیا۔ عددی لحاظ سے (Quantiative) سروے ڈیٹا کے لئے نمونے کا سائز 1000 تھا اور ہر یونیورسٹی سے تقریباً 100 طالبات کو لیا گیا۔ سروے کے سوالات اور بیانات میں عسکریت پسند جہادی گروہوں اور ان میں صنفی شمولیت کے کردار، مدارس کی اصلاح اور عام تعلیمی نصاب، رواداری اور اقلیتوں کی حیثیت، صنفی حقوق، ایک اسلامی ریاست کے طور پر پاکستان کی موجودہ صورتحال اور اسلام کے ساتھ مغرب کے تعلق جیسے موضوعات پر بات کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ انٹرنیٹ کے استعمال، مذہبی سوچ، عمر، سکول تعلیم، نسلی وابستگی اور آمدنی وغیرہ جیسے شعبوں سے متعلق ڈیٹا سے استفادہ کیا گیا۔ معیار کے لحاظ سے (Qualitative) ڈیٹا کے تجزیہ کے لئے بنیادی اعتبار سے انٹرویوز اور ثانوی طور پر شائع شدہ مواد سے معلومات لی گئیں۔

2 ساؤتھ ایشیا ٹیررزم پورٹل کے مطابق مئی 2002 سے اگست 2013 تک کے عرصے میں پاکستان میں ہونے والے کل 371 خودکش حملوں میں سے 6 خودکش حملے خواتین نے کئے۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ تعداد 8 ہے۔ ساؤتھ ایشیا ٹیررزم پورٹل، جس کا حوالہ بے نظیر شاہ، نذر الاسلام اور شہر بانو تاثیر نے نیوز یک، 15 ستمبر 2013 کے شمارے میں Lady Parts کے عنوان سے شائع ہونے والی تحریر میں دیا ہے، اس پتہ پر دیکھی جا سکتی ہے: http://newsweekpakistan.com/lady-parts/، 3 نومبر 2015 کو دیکھی گئی۔

3 اس طرح کا واحد آخری معلوم واقعہ جون 2013 میں کوئٹہ میں پیش آیا جہاں ایک برقع پوش خاتون نے سردار بہادر خان ویمن یونیورسٹی کی بس کو نشانہ بنایا جس میں 14 طالبات جاں بحق ہو گئیں۔

4. اگرچہ ان سیلوں کی کوئی واضح تفصیلات نہیں ملتیں اور نہ ہی یہ اس قدر واضح ہیں کہ ان کی نشاندہی کی جا سکے لیکن تحریک طالبان پاکستان کے موجودہ سربراہ ملا فضل اللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے 2007 میں سوات کی بغاوت کے دوران خواتین سے جہاد میں شامل ہونے/مدد دینے کی اپیل کی۔

5. 14 مئی 2015 کو صفورا گوٹھ (کراچی) میں واقعہ پیش آیا جس میں مسلح افراد نے ایک بس میں سوار 43 افراد کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس کارروائی کے سرغنہ کے بارے میں سامنے آیا ہے کہ وہ کراچی کی ایک ممتاز یونیورسٹی کا فارغ التحصیل ہے۔ اس واقعہ کے بعد سکیورٹی فورسز نے پاکستان کی بعض بڑی یونیورسٹیوں میں عسکریت پسند گروہوں کی حمایت کے الزام میں طلبہ اور اساتذہ کی گرفتاریاں کیں۔ دیکھیں ملک سراج اکبر، Pakistan's Educated Jihadis، دی ورلڈ پوسٹ (21 مئی 2015)، http://www.huffingtonpost.com/malik-siraj-akbar/pakistans-educat ed-jihadis_b_7348992.html، 12 دسمبر 2015 کو دیکھا گیا۔

6. دیکھیں عائشہ صدیقہ، Red Hot Chilli Peppers Islam-Is the Youth in Elite Universities in Pakistan Radical?، (ہینرخ بول سٹفٹنگ)۔

شکل 1: پٹی دار گراف (فیصد تناسب)

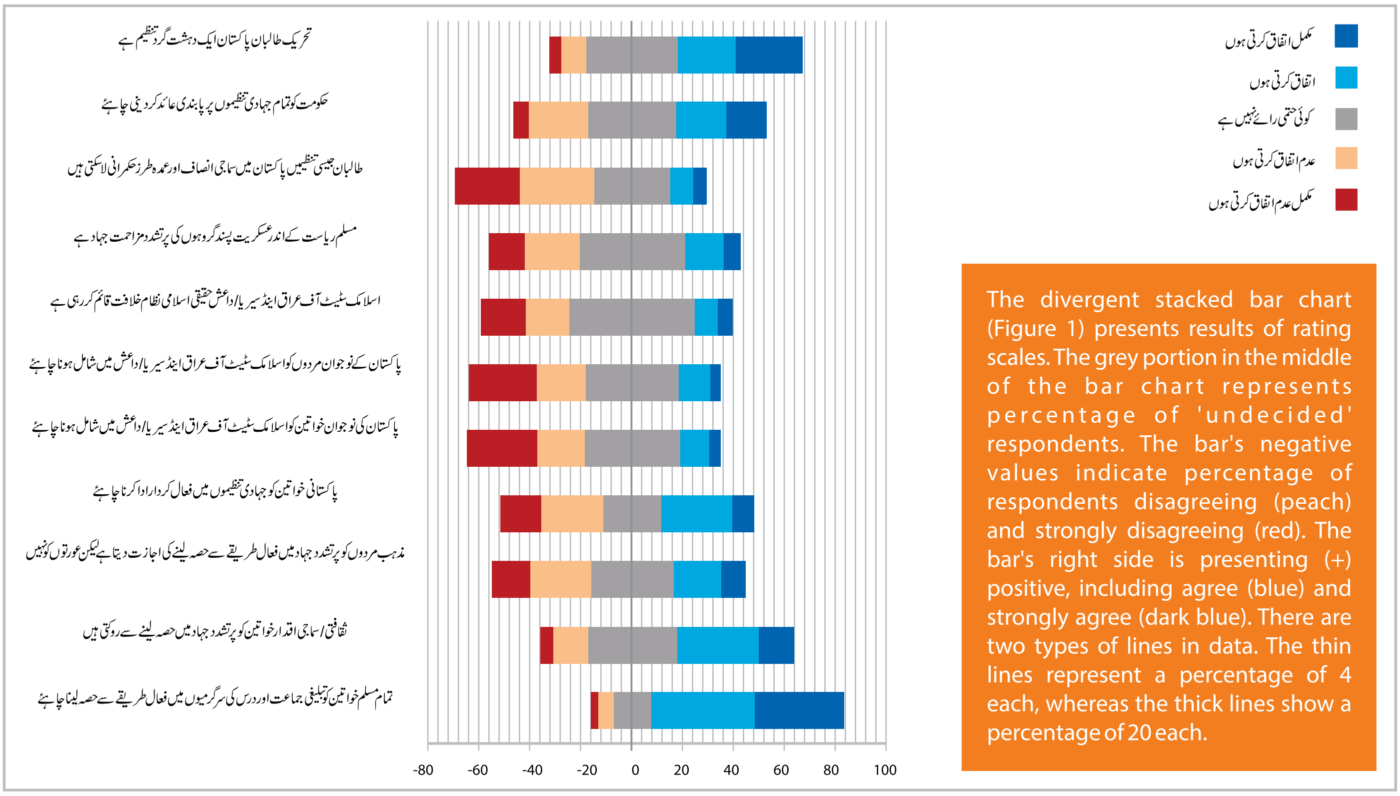

The divergent stacked bar chart (Figure 1) presents results of rating scales. The grey portion in the middle of the bar chart represents percentage of 'undecided' respondents. The bar's negative values indicate percentage of respondents disagreeing (peach) and strongly disagreeing (red). The bar's right side is presenting (+) positive, including agree (blue) and strongly agree (dark blue). There are two types of lines in data. The thin lines represent a percentage of 4 each, whereas the thick lines show a percentage of 20 each.

شکل 1 میں ڈیٹا کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ طالبات کا ایک خاطر خواہ حصہ (36 فیصد) جہاد کو مسلم ریاست کے اندر عسکریت پسند گروہوں کی طرف سے کی جانے والی پرتشدد مزاحمت کے مساوی نہیں سمجھتا۔ اسے جب شکل 2 کے ساتھ ملائیں جس کے مطابق 40 فیصد طالبات سمجھتی ہیں کہ جہاد 'ناانصافی کے خلاف غیر متشدد کوششوں' کا نام ہے، تو اس کا مطلب بنتا ہے کہ ان کی اکثریت بنیادی طور پر جہاد کو پرتشدد مزاحمت (جہاد فی القتال) کے طور پر نہیں لیتی۔ ان میں سے ایک تہائی کے لگ بھگ طالبات میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جہاد اور تشدد کا آپس میں لازماً تعلق ہو سکتا ہے۔ سروے میں حصہ لینے والی 50 فیصد طالبات، عسکریت پسند گروہ تحریک طالبان پاکستان کو ایک دہشت گرد گروہ سمجھتی ہیں (شکل 1) جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کے نام پر ان کا پرتشدد جہاد طالبات کی اکثریت کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ لہٰذا 55 فیصد کے لگ بھگ طالبات اس بارے میں بھی منفی رائے رکھتی ہیں کہ یہ لوگ پاکستان میں عمدہ طرز حکمرانی لا سکتے ہیں (شکل 1)۔ اس نتیجے کو شکل 3 میں حاصل ہونے والی معلومات سے مزید تقویت ملتی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً 450 طالبات تحریک طالبان پاکستان سمیت عسکریت پسند اور دہشت گرد گروہوں کو پاکستان کی سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتی ہیں۔ مزید تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سبھی عسکریت پسند اسلامسٹ تنظیموں کو ایک ہی منفی نقطہ نظر سے نہیں دیکھا جاتا کیونکہ سروے میں حصہ لینے والی 29 فیصد طالبات نے اس بارے میں رائے دینے سے گریز کیا کہ ریاست کو تمام جہادی تنظیموں پر پابندی عائد کر دینی چاہیے حالانکہ 35 فیصد اس پر رضامند ہیں (شکل 1)۔

سروے کے ذریعے خیبر پختونخواہ کی تعلیم یافتہ نوجوان خواتین میں عسکریت پسند گروہ آئی ایس آئی ایس کی مقبولیت کا اندازہ لگانے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ خیال ہے کہ یورپی مسلم نوجوان (بشمول خواتین) ہزاروں کی تعداد میں اس تنظیم میں شامل ہو رہے ہیں جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کئی مغربی نوجوان خواتین اپنے ملک چھوڑ کر ''جہادی دلہنوں'' کے طور پر آئی ایس آئی ایس میں شامل ہونے کے لئے جا چکی ہیں۔[7] اس سروے کے نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ 35 فیصد ایک حقیقی اسلامی خلافت کے قیام پر آئی ایس آئی ایس کے پیغام سے اختلاف رکھتی ہیں البتہ 50 فیصد اس پر کوئی حتمی رائے نہیں رکھتیں (شکل 1)۔ آئی ایس آئی ایس میں شمولیت پر پاکستانی نوجوان مردوں اور خواتین کے درمیان زیادہ جھکاؤ دیکھنے کو ملتا ہے کیونکہ دونوں حوالوں سے سروے میں حصہ لینے والی تقریباً 46 فیصد طالبات نے کوئی حتمی رائے ظاہر نہیں کی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آئی ایس آئی ایس ابھی تک خیبر پختونخواہ کی تعلیم یافتہ نوجوان خواتین میں مقبولیت حاصل نہیں کر پائی (شکل 1)۔

سروے کے ذریعے جہادی تنظیموں میں صنفی کرداروں پر طالبات کے خیالات کے علاوہ یہ جاننے کی بھی کوشش کی گئی کہ ان کے نزدیک جہادی عسکریت پسندانہ سرگرمیوں میں حصہ لینے یا نہ لینے کے فیصلے میں مذہب و ثقافت کس طرح اثر دکھاتے ہیں۔ اکثریتی 40 فیصد کے نزدیک خواتین کو جہادی سرگرمیوں میں نہیں لینا چاہیے لیکن تقریباً 36 فیصد کے خیال میں شاید خواتین ان میں حصہ لے سکتی ہیں (شکل 1)۔ اکثریت (39 فیصد) اس یقین پر بھی اعتراض کرتی ہے کہ مذہب خواتین کو پرتشدد جہاد میں حصہ لینے سے روکتا ہے (شکل 1) جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ پرتشدد جہاد میں صنفی شمولیت پر مذہب کی اجازت کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ تاہم 46 فیصد کے نزدیک ثقافت اس میں حصہ لینے میں بڑی رکاوٹ ہے (شکل 1)۔ یوں سروے میں حصہ لینے والی طالبات نے تسلیم کیا کہ ثقافت جس میں پردہ[8] بھی شامل ہے جو خیبر پختونخواہ کی پختون روایات سے پوری طرح جڑا ہوا ہے، پرتشدد جہاد میں خواتین کی شمولیت کے خلاف جاتی ہے۔ سروے میں حصہ لینے والی طالبات کی ایک بڑی واضح اکثریت (76 فیصد) کے نزدیک تبلیغی جماعت اور درس جیسی سرگرمیوں میں خواتین کو حصہ لینا چاہیے (شکل 1)۔ پاکستان کی بعض جہادی تنظیموں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ

شکل 2: جہاد کیا ہے؟

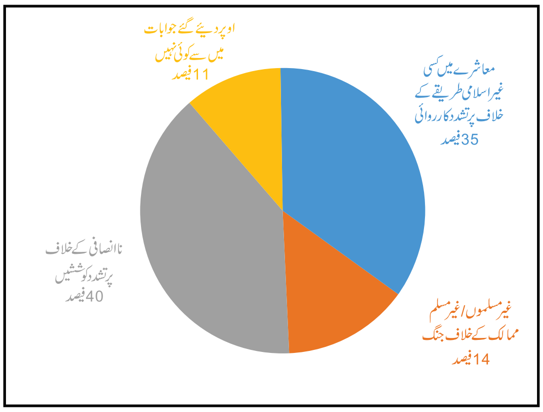

7. دیکھیں ڈاکٹر کیتھرین براؤن، How IS message lures Western women، بی بی سی مشرق وسطیٰ (8 اپریل 2015)، http://www.bbc.com/news/world-middle-east-32208217، 3 اگست 2015 کو دیکھا گیا۔ ڈومینک کیسیانی، 43 British women and girls in Syria, say police، بی بی سی برطانیہ (14 جولائی 2014)، http://www.bbc.com/news/uk-33523910، 4 اگست 2015 کو دیکھا گیا۔
8. یہاں لفظ 'پردہ' کو وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جس کے مطابق صنف کے لحاظ سے مردوں اور خواتین کے کردار الگ الگ ہیں۔

شکل 3: پاکستان کی سلامتی کو درپیش سب سے بڑا خطرہ کیا ہے؟ (اختیاری سوالات)

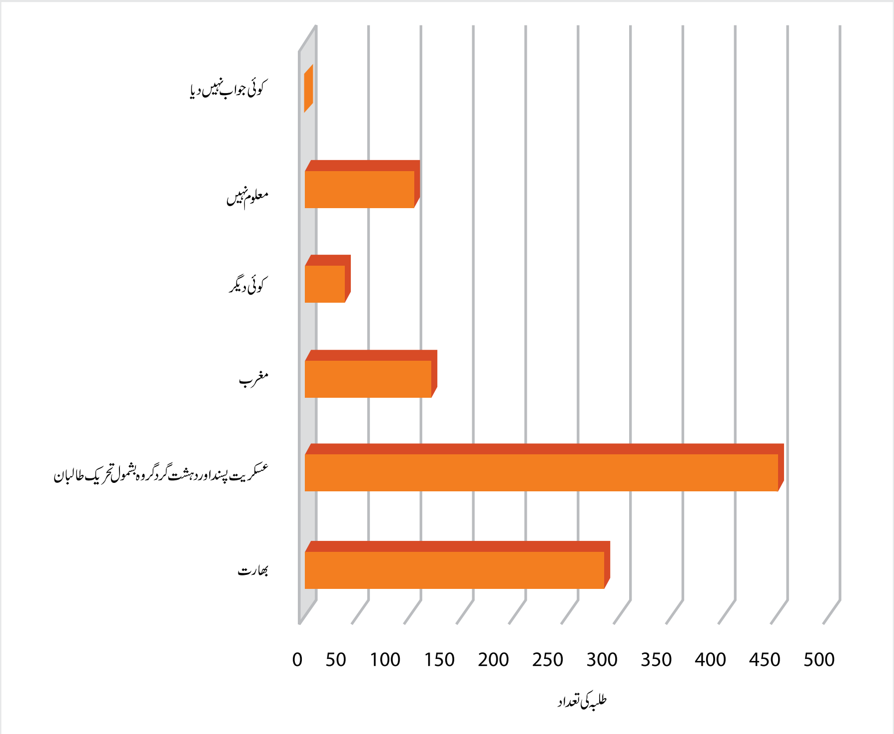

''نجی مقامات اور گھروں تک جہادی کلچر پھیلانے'' کے سٹریٹجک مقاصد حاصل کرنے کے لئے خواتین کی درس کی نشستوں کا اہتمام کرتی ہیں۔ [9]

خواتین سمیت نوجوانوں کے پرتشدد ریڈیکلائزیشن کا شکار ہونے کے خطرے اور اس میں ملوث ہونے کے علاوہ نوجوانوں کو پرتشدد نظریات سے دیرپا اور مثبت انداز میں دور کرنے کی راہ میں درپیش مشکلات پر ایک تفصیلی اور منظم تحقیق کی ضرورت ہے۔ اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ خیبر پختونخواہ کی طالبات کی ایک بڑی اکثریت (82 فیصد) کے نزدیک اسلام پاکستان کی بنیادی شناخت ہے۔ [10] اس کے ساتھ ان میں مذہبی سوچ کی بلند سطح سے ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت کو تعلیم یافتہ نوجوانوں[11] میں ریڈیکلائزیشن کے خاتمے کے حساس مسئلے سے پوری احتیاط کے ساتھ نمٹنا چاہئے۔ یہاں مذہبی علماء کا کردار بھی ناگزیر ہے کیونکہ وہ جہاد پر عسکریت پسند بیانیہ کے توڑ کے لئے انہی ذرائع یعنی قرآن وحدیث کے حوالے دے سکتے ہیں جنہیں عسکریت پسند استعمال کرتے ہیں۔ ریاست کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے حالات پیدا کرے جس میں وہ ایک جوابی بیانیہ تیار کرسکیں اور جس بات پر وہ یقین رکھتے ہیں اسے بلاخوف وخطر کہہ سکیں۔ اسی طرح تمام ثقافتوں میں امن پسند عناصر بھی موجود ہوتے ہیں جنہیں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

تعلیم یافتہ نوجوانوں کو ریڈیکل خیالات سے دور کرنے کے لئے یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھی جائے کہ انہیں انٹرنیٹ تک بھرپور رسائی میسر ہے اور معلومات کے حصول کے لئے وہ سوشل میڈیا پر انحصار کرتے ہیں۔ ہمارے سروے نتائج کے مطابق 70 فیصد طالبات کو انٹرنیٹ تک رسائی حاصل ہے۔ اور ان کی اکثریت (55 فیصد) سمجھتی ہے کہ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ ان کے لئے معلومات کے بہترین ذریعہ کا کام دیتے ہیں جس کے بعد الیکٹرانک میڈیا آ جاتا ہے (دیکھیں شکل 4)۔ پاکستان کے پالیسی سازوں کو چاہئے کہ انتہاپسندانہ نظریات کے خلاف جوابی بیانیہ کی تیاری اور اس کے پھیلاؤ کے علاوہ مذہب وثقافت کے امن پسند عناصر کو اجاگر کرنے کے لئے ان دونوں طاقتور ذرائع کو بروئے کار لائیں۔ میڈیا کا کردار بہت اہم ہے کیونکہ میڈیا پر دکھائی جانے والی چیز حساس امور پر لوگوں کے خیالات بدلنے میں انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علم ومعلومات کی تلاش کے لئے بھی انٹرنیٹ کا استعمال طلبہ کے نزدیک انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں یونیورسٹیاں ایک کلیدی کردار ادا کرسکتی ہیں کہ وہ اپنے اساتذہ میں تنقیدی سوچ کو ترویج دیتے ہوئے اسے طلبہ میں پھیلائیں جس کی بدولت وہ دلائل کی جانچ پرکھ کرسکتے ہیں اور متبادل راستوں کا تعین کرسکتے ہیں۔

عام لٹریچر میں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ پاکستان میں پرتشدد انتہاپسندی میں مدارس ملوث ہیں۔ لہٰذا زور دیا جاتا ہے کہ مدارس کا نصاب اور تدریسی طریقے جدید تعلیمی خطوط پر ازسرنوتشکیل دیئے جائیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے بہت کم طلبہ یونیورسٹیوں تک پہنچ پاتے ہیں۔ ہماری تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ خیبر پختونخواہ کی بڑی یونیورسٹیوں کی 97 فیصد سے زائد طالبات پرائیویٹ سکولوں یا سرکاری سکولوں کی پڑھی ہوئی ہیں۔ دلائل پر بحث کرنے اور انہیں چیلنج کرنے کی عادت بچوں میں سکول کے دنوں سے ہی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ نہ صرف عام سکول نصاب کو تبدیل کیا جائے بلکہ انداز تدریس کو بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جائے۔ تاہم عام سکولوں میں تبدیلی نصاب پر بحث ایک حساس معاملہ بھی ہے۔ سروے نتائج کے مطابق تقریباً 58 فیصد نے جہاد سے متعلق مواد کو سکول نصاب سے ختم کرنے کی بات سے اتفاق نہیں کیا۔ لہٰذا تبدیلی نصاب کے معاملے میں حکومت کو یقیناً احتیاط سے کام لینا ہوگا اور اس سلسلے میں ہر کوشش ایسی ہونی چاہئے جو اس معاملے کو غیر متنازعہ انداز میں نمٹا سکے۔ ریاست اس معاملے میں یہ بات یقینی بنا سکتی ہے کہ سکول غیر نصابی سرگرمیوں مثلاً کھیل، بحث مباحثوں، شاعری اور ڈرامہ مقابلوں وغیرہ کے لئے خاطر خواہ گنجائش پیدا کریں تاکہ طلبہ میں ایک مثبت نقطہ نظر کو ترویج دی جا سکے۔

شکل 4: آپ کے لئے درج ذیل میں سے معلومات کا بہترین ذریعہ کون سا ہے؟

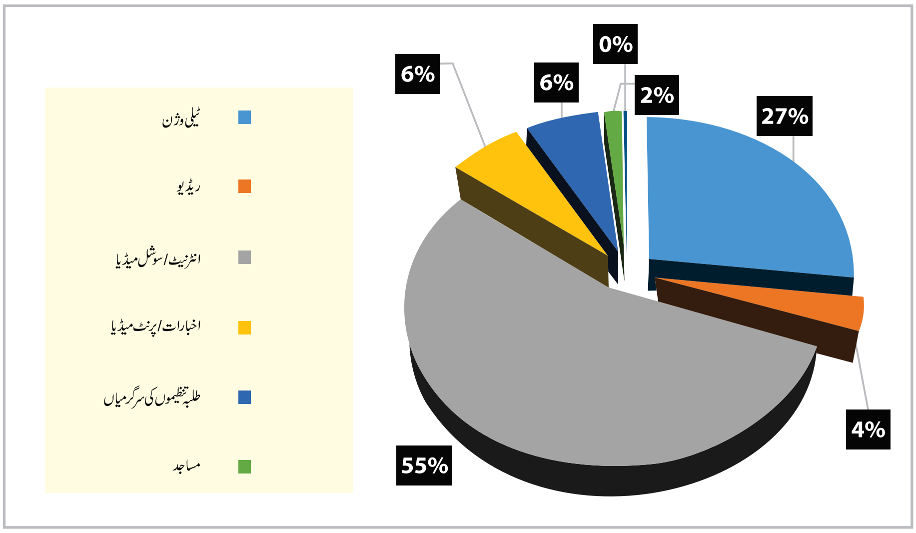

9. مثال کے طور پر لشکر طیبہ (جواب جماعۃ الدعوۃ ہے) خواتین کے لئے باقاعدگی کے ساتھ درس کا اہتمام کرتی ہے جس میں انہیں سکھایا جاتا ہے کہ مسلم امہ کی خدمت کے لئے اپنے لڑکوں کو جہاد کشمیر پر شہادت کے لئے بھیجنا ان کا فرض ہے۔ دیکھیں فرحت حق، Mothers of Laskhar-e-Taiba، پولیٹکل اینڈ اکنامک ویکلی، جلد XLIV، شمارہ 18، (2 مئی 2009) 17۔

10. تقریباً 99 طالبات نے اسلام کو اپنا مذہب قرار دیا اور ان میں 94 فیصد کی عمریں 18 سے 25 سال کے درمیان تھیں۔

11. ہماری تحقیق سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک واضح اکثریت روزانہ پانچ نمازیں ادا کرتی ہے اور روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کرتی ہے۔

پاکستان میں انتہا پسندی کے مقابلے کے لئے موثر جوابی بیانیہ کی تیاری: سیاسی جماعتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کردار

ڈاکٹر حسن عباس

پروفیسر و سربراہ، ڈپارٹمنٹ آف ریجنل اینڈ انیلٹکل سٹڈیز
نیشنل ڈیفنس یونیورسٹی کالج آف انٹرنیشنل سیکیورٹی افیئرز
واشنگٹن ڈی سی، امریکہ

مصنف، The Taliban Revival: Violence and Extremism on the Pakistan-Afghanistan Frontier، (یالے یونیورسٹی پریس، 2015)

وفاق کے زیرانتظام قبائلی علاقہ جات (فاٹا) میں القاعدہ اور تحریک طالبان جیسی دہشت گرد تنظیموں کو پسپا کرنے کے لئے پاکستان عملی طریقے تو استعمال کر رہا ہے لیکن دوسری جانب اس مذہبی انتہا پسندی اور تعصب کا توڑ تلاش کرنے کی جدوجہد ابھی جاری ہے جو انتہا پسندانہ سوچ کی گنجائش پیدا کرتی ہے اور جس کے نتیجے میں پورا ملک تشدد کی لپیٹ میں آیا ہوا ہے۔ رواداری، مذہبی ہم آہنگی اور ہر طرح کے سیاسی خیالات پر سوچ کی کشادگی جیسی باتوں کی جگہ آہستہ آہستہ تنگ نظری، فرقہ واریت اور عدم برداشت نے لے لی ہے۔ جمہوری تجربہ کی بدولت میدان سیاست و معاشرت میں تو پاکستان کا توازن بحال کر رہا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ معاشرے کے انتہا پسند اور ترقی پسند عناصر آج ملک کے اندر اپنی اپنی سماجی گنجائش پیدا کرنے کے لئے صف آراء ہیں۔

پاکستانی میڈیا اور پالیسی حلقوں میں ان رجحانات کا الزام اکثر بڑھتے عدم استحکام کو دیا جاتا ہے۔ یہ سب اپنی جگہ درست ہے لیکن اکثر یہ حقیقت توجہ سے محروم رہ جاتی ہے کہ پاکستان میں انتہا پسند گروہوں نے آہستہ آہستہ پورے معاشرے میں اپنے ایک بیانیہ کو ترویج دی، اسے متعارف کرایا اور اس مقصد کے لئے قدرے غیر محسوس انداز میں میڈیا، مذہبی تعلیم کے بنیادی ڈھانچے اور ریاستی اداروں میں نفوذ کو استعمال کیا گیا۔ مطلق العنانیت اور تعلیم پر ناقص سرمایہ کاری کی وجہ سے اس بیانیہ کو معمول سے زیادہ تیز رفتاری کے ساتھ پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز (لمس) کے محمد فیاض نے اپنے ایک شاندار تحقیقی مقالہ میں اس بات پر زور دیا ہے کہ پاکستان کے پاس دہشت گردی کے خلاف جوابی بیانیہ ہی نہیں ہے۔ ان کا بجا طور پر کہنا ہے کہ ہمارے ہاں فی الواقع ایک ایسا خلاء موجود ہے جس میں دہشت گرد تنظیموں نے اپنی مرضی سے اپنے اس بیانیہ کا پرچار کیا ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ کئی نوجوان ریڈیکل ازم کی راہ اس لئے اپناتے ہیں کہ ملک میں کسی متبادل بیانیہ کے ذریعے ان خیالات کو چیلنج کرنے والا کوئی نہیں ہے۔[1] ہمارے ہاں انتہا پسندی کا تدارک کرنے والے خیالات پر کوئی سرمایہ کاری نہیں کی گئی جس کے باعث ایک عرصے سے انتہا پسندانہ بیانیہ کو بے روک ٹوک آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے۔[2] جو لوگ انتہا پسندی کے سامنے کھڑا ہونے کی کوشش کرتے ہیں ان کی بات کو بے وقعت بنانے کے لئے انہیں لبرل اور غیر ملکی ایجنٹ وغیرہ جیسے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ قصہ مختصر، اصل عامل اس وقت یہی انتہا پسندانہ بیانیہ ہے۔ لہٰذا ہمیں اندر سے ہی ایک مضبوط جوابی بیانیہ کو ترویج دینا ہوگی اور اسے آگے بڑھانا ہوگا۔

پاکستان میں اب یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ پرتشدد انتہا پسندی کے بیانیہ کا تدارک ضروری ہے لیکن اس سلسلے میں کسی بھی بامعنی کوشش کو تین اہم مراحل میں عملی جامہ پہنانا ہوگا یعنی: الف) اس بات کو واضح طور پر سمجھا جائے کہ ملک میں انتہا پسندانہ بیانیہ کی مرکزی خصوصیات کیا ہیں اور اس کے سرپرست کون ہیں۔ ب) جوابی بیانیہ کا ایک خاکہ تیار کیا جائے۔ ج) اس بیانیہ کو چیلنج کرنے میں کون کون سے ادارے کس طرح اپنا تعمیری کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اور یہ تیسرا مرحلہ کافی اہم ہے۔ اس تحریر میں تیسرے مرحلے پر زیادہ توجہ دی گئی ہے لیکن اس بات کی وضاحت کے لئے اول الذکر دونوں امور کو بھی زیر بحث لایا جائے گا کہ کون کون سے محرکین سرگرم عمل ہیں اور جوابی بیانیہ کی سٹریٹجی کو عملی جامہ پہنانے میں سب سے اہم چیلنج کیا ہے۔ سیاسی جماعتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے کردار کا جائزہ اور تجزیہ بھی کیا جائے گا کیونکہ اس سیاق وسباق میں یہی دونوں سب سے بااثر ادارے ہیں اور اس عمل میں متعلقہ حیثیت بھی رکھتے ہیں۔

انتہا پسندانہ بیانیہ کی نمایاں خصوصیات

پاکستان میں کئی طرح کے انتہا پسند سرگرم ہیں جن کے اپنے اپنے ایجنڈا اور مقاصد ہیں۔ کوئی پاکستان میں ریڈیکل انقلاب کا کارپرداز ہے تو کوئی اسے اسلامی خلافت بنانا چاہتا ہے۔ کوئی کشمیر کو حاصل کرنے کے لئے بھارت کے خلاف جہاد کی بات کرتا ہے تو کوئی عالمی ریڈیکل تحریکوں کا حامی ہے۔ ضیاء دور (1979 تا 1988) نے پاکستان کو اس سمت میں دھکیلنے میں انتہائی تباہ کن کردار ادا کیا۔ اس کے اپنے کارندوں اور اس کی پیداوار، جو فوج اور میدان سیاست دونوں جگہ موجود تھے، نے مقامی انتہا پسند اور عسکریت پسند گروہوں کی پرورش اور سرپرستی کی جنہوں نے آج تک ملک میں اودھم مچا رکھا ہے۔ ان میں سے بعض انتہا پسند گروہ ایسے ہیں جو اسلحہ اٹھانے اور پرتشدد طریقے اپنانے پر یقین رکھتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہیں جو قدرے پراسرار انداز میں کام کرتے ہوئے ترقی پسند عناصر پر اپنی دھونس جماتے ہیں اور تعلیمی اداروں، خیراتی تنظیموں اور میڈیا کے اداروں کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ پھیلاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں لفظ ''اسلامی'' ان انتہا پسند گروہوں کے نزدیک اسلام کی تشریح کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ ذیل میں پاکستانی مسلم انتہا پسندوں کے بیانیہ کی دس بنیادی خصوصیات دی گئی ہیں جن کا مقصد انتہا پسندوں کے انداز فکر کی ایک جھلک پیش کرنا ہے۔ ان میں سے بعض ایسی ہیں جو کافی سادہ اور عمومی سی باتیں لگتی ہیں لیکن ان کا مقصد جوابی بیانیہ کو آگے بڑھانے کے چیلنج سے متعلق سوچ کا سیاق وسباق پیش کرنا ہے۔

- ☆ اسلام کو عالمی سطح پر خطرہ درپیش ہے اور مغربی ریاستیں بالخصوص امریکہ اسلام کے خلاف مصروف جنگ ہیں۔ یہاں اصل زور خوف اور بقاء کو درپیش خطرے کا احساس پیدا کرتے ہوئے قطبیت پیدا کرنا ہے۔
- ☆ مسلمانوں میں یہ آرزو بیدار کرنا بہت ضروری ہے کہ وہ عالمی سطح پر جوں کی توں صورتحال کو تبدیل کریں اور ہر ممکن طریقے لیکن ترجیحاً

ENDNOTES:

1. Muhammad Feyyaz, "Why Pakistan Does Not Have a Counterterrorism Narrative," Journal of Strategic Security 8, no. 1 (2015): 63-78, available at: http://scholarcommons.usf.edu/jss/vol8/iss1/5
2. For a useful analysis about the extremism challenge, see Hedieh Mirahmadi, Waleed Ziad, Mehreen Farooq and Robert D. Lamb, Empowering Pakistan's Civil Society to Counter Global Violent Extremism, January 2015, Brookings Institution, available at: http://www.brookings.edu/~/media/research/files/papers/2015/01/us-islamic-world-forum-publications/empowering-pakistans-civil-society-to-counter-violent-extremism-english.pdf

طاقت اور تشدد کے ذریعے اسلامی نقطہ نظر کی مخالفت کرنے والے سب لوگوں کو چیلنج کریں۔

☆ پاکستان ایک اسلامی ریاست کے طور پر قائم ہوا اور یہاں اسلامی اصولوں کی اسی طرح پاسداری ہونی چاہیے جو ان گروہوں کی سوچ اور تشریح کے مطابق ہیں۔ پاکستان کے آئین اور قوانین پر اسی نقطہ نظر سے مکمل نظر ثانی کی جائے۔

☆ جمہوریت اسلامی نظام حکومت کے خلاف ہے۔

☆ پاکستان کے حکمران اور طاقتور ادارے بشمول فوج عالمی اسلام مخالف قوتوں کے اتحادی ہیں اور ان کے خلاف مزاحمت اور انہیں ہدف بنانا لازم ہے۔

☆ پاکستان میں رہنے والے اقلیتی مسلمان گروہوں اور غیر مسلموں کو ملک کے شہری کی مکمل حیثیت نہیں دی جاسکتی اور انہیں برسر عام اپنے مذہبی عقائد پر عمل کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

☆ پاکستان میں فن وثقافت کی سرگرمیاں اسلامی اقدار کی حدود کے اندر ہونی چاہئیں اور ریاست کو ایسے کسی بھی طریقے پر پابندیاں عائد کرنی چاہئیں جو مغرب سے متاثر ہو یا لبرل سوچ پر مبنی ہو۔

☆ اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے قانون کو ہاتھ میں لینا جائز ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایسی کارروائیوں کے لئے قانون شکنی کی جاسکتی ہے۔

☆ اسلامی قوانین اور اقدار کو کسی بھی صورت میں چیلنج کرنا توہین مذہب سمجھا جاتا ہے جس کی سزا موت یا سخت سے سخت سزا ہے۔

☆ خواتین کو گھروں تک رہنا چاہیے اور باہر نکلتے ہوئے انہیں اسلامی لباس کی پابندی کرنی چاہیے۔

موثر جوابی بیانیہ کا خاکہ

یہاں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ جوابی بیانیہ صرف انتہاپسندوں کے لئے ہی نہیں بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی ہے جنہیں اکثر ''خاموش اکثریت'' یا زیادہ درست لفظوں میں خاموش تماشائیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی آراء یا تو ملی جلی ہیں یا پھر وہ ایک عوامی موقف اختیار کرنے کی ہمت نہیں کر پاتے۔ یہ ''آزاد حلقے'' پرتشدد انتہاپسندی کے تدارک سے متعلق آئیڈیاز پر قدرے کشادہ سوچ کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ ان آئیڈیاز میں بڑی حد تک مذہبی زبان پر تکیہ کیا گیا ہے کیونکہ بدقسمتی سے انتہاپسندانہ بیانیہ میں مذہبی آدرشوں کو توڑ مروڑ کر اور غلط تشریح کے ساتھ نمایاں طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ سوچ اس تحقیق سے بھی اخذ کی گئی ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ انتہاپسندوں کو جب یہ لگ رہا ہو کہ ان کی کلیدی اقدار یا شناخت کے لئے خطرہ پیدا کیا جا رہا ہے تو ''سمجھوتے پر مائل کرنے کے لئے مادی مراعات الٹی پڑ جاتی ہیں''۔[3] اسی لئے انتہاپسندی کے جوابی بیانیہ کو بھی اسی سیاق وسباق میں تشکیل دینا ہوگا جس سے انتہاپسند فائدہ اٹھاتے ہیں۔ معقول سی بات ہے کہ انتہاپسندوں کے بیانیہ کو جائز حیثیت سے محروم کرنے کا یہ ایک قوی طریقہ ہے۔ بعض صورتوں میں اگر آپ انتہاپسندوں کے ذہنوں میں یہی شبہ پیدا کر دیں کہ ان کے ناقص عقائد درست نہیں تو اس سے بھی بات بن سکتی ہے۔ پاکستان کے لئے جوابی بیانیہ کے پانچ مرکزی ستون یہ ہیں:

☆ پاکستان مسلمانوں نے اس لئے بنایا کہ وہ ایک آزاد شہری کی حیثیت سے یہاں اپنے معاشی، سماجی اور سیاسی مقاصد پر کام کرسکیں اور مذہبی خطوط پر محرومی کی بیڑیوں کو توڑ سکیں۔ پاکستان اگر اپنی اقلیتوں کو مساوی حقوق اور احترام نہ دے پایا تو 1947 میں لاکھوں مسلمانوں کی دی ہوئی قربانیاں رائیگاں چلی جائیں گی۔ اسلام کے سبھی مسالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان تحریک آزادی پاکستان میں پیش پیش رہے اور جو غیر مسلم آج پاکستان میں رہ رہے ہیں انہوں نے پورے ہوش وحواس کے ساتھ پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کیا اور انہوں نے پاکستان کے ابتدائی اہم سالوں میں تعمیری کردار ادا کیا۔

☆ اسلام جنوبی ایشیا میں آنے والے عظیم صوفیائے کرام کے دیئے ہوئے محبت، ہم آہنگی اور مل جل کر رہنے کے پیغام سے پھیلا۔ اسلام کی کسی بڑی شخصیت نے کسی پر طاقت، محکومیت یا خوف کے ذریعے اسلام کو مسلط کرنے کی بات نہیں کی۔ بلھے شاہ، داتا گنج بخش، بری امام، رحمان بابا اور لعل شہباز قلندر جیسے ان صوفیائے کرام کی تعلیمات اور تصنیفات پاکستان اور وسیع تر جنوبی ایشیا میں انتہاپسندی کے جوابی بیانیہ کا سب سے طاقتور عنصر ہیں۔ ان کی تصانیف کو پاکستان کے سکول نصاب میں شامل کیا جائے۔

☆ جمہوریت لیڈروں کو جوابدہ بنانے، عوام کی رائے حاصل کرنے اور انصاف قائم کرنے کا سب سے فعال اور پرامن طریقہ ہے اور یہی تینوں اسلامی طرز حکمرانی کے مرکزی اصول ہیں۔ کوئی دوسرا نظام ایسا نہیں ہے جو جمہوریت کی طرح مساوات کے آئیڈیا کو فروغ دیتا ہو اور یہ وہ دوسرا مرکزی پیغام ہے جو ہمیں اسلامی تعلیمات سے ملتا ہے۔

☆ قانون کو ہاتھ میں لینے کی اجازت نہ تو اسلام دیتا ہے اور نہ ہی اس طریقے سے کوئی ریاست یا معاشرہ چل سکتا ہے۔ قانون شکن کارروائیاں شورش اور انارکی کا باعث بنتی ہیں جو معاشرے کو تیزی سے عدم استحکام کا شکار بنا سکتی ہیں اور دیرینہ اثرات کی حامل ہوتی ہیں۔ اس کے مقابلے میں قانون کی حکمرانی پر مبنی معاشرے اندرونی اعتبار سے پرامن ہوتے ہیں اور معاشی اعتبار سے بھی ایسے معاشرے ہی پھلتے پھولتے ہیں۔

☆ اسلام کو عالمی سطح پر دنیا کے عظیم مذاہب میں شمار کیا جاتا ہے اور بین الاقوامی سطح پر بھی یہ سب سے تیزی سے پھیلنے والا مذہب ہے۔ سائنسی علوم اور انسانی تہذیب کے لئے اسلام کی خدمات اتنی زیادہ ہیں کہ جدید دور کی کسی بھی محدود جنگ کے ذریعے انہیں صفحہ ہستی سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ کوئی بھی جنگ محض اس بناء پر اسلامی تصور نہیں کی جاسکتی کہ اس میں مسلمان حصہ لے رہے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنی تاریخ اور شناخت پر فخر کرنا چاہیے اور انہیں تعمیری، پرامن اور تدریسی انداز میں انسانیت کی خدمت کرنی چاہیے۔

انتہاپسندی کے جوابی بیانیہ میں سیاسی جماعتوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کا کردار

جوابی بیانیہ تیار کرنے کی ذمہ داری محض ریاستی اداروں پر عائد نہیں ہوتی۔ وسیع تر سطح پر انتہاپسندی کسی بھی معاشرے کی ترویج کی ضمنی پیداوار ہے اور اس بناء پر اس کا کوئی بھی موثر جواب نچلی سطح سے ہی سامنے آئے گا۔ حصول اقتدار کی جدوجہد اپنی جگہ لیکن سیاسی جماعتوں کو اس سے آگے بھی کچھ سوچنا ہوگا۔ انہیں بھی اپنے ارکان میں موزوں حد تک شعور و آگاہی پیدا کرنے کی ذمہ داری لینا ہوگی۔ اس کے علاوہ پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں کا پورے ملک میں بنیادی ڈھانچہ موجود ہے جس کے ذریعے وہ مقامی کمیونٹی کی سطح پر تیار ہونے والے جوابی بیانیہ کو آگے بڑھا سکتی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملک کی بڑی سیاسی جماعتیں اس میدان میں اپنا جو اثر دکھا سکتی ہیں اس کا اندازہ پوری طرح نہیں لگایا جا سکا۔ انتہاپسند انتخابات کے دوران پاکستان کی بڑی سیاسی جماعتوں بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی)، عوامی نیشنل پارٹی (اے این پی) اور متحدہ قومی موومنٹ (ایم کیو ایم) کو نشانہ بنا چکے ہیں اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ انتہاپسند بڑی گہرائی تک سمجھتے ہیں کہ سیاسی جماعتیں دراصل ان کے بیانیہ کے لئے ایک چیلنج ہیں۔ سیاسی جماعتیں انتہاپسندانہ سوچ کا جوابی بیانیہ تیار کرنے اور اسے مقبول بنانے میں اپنا کردار کس طرح ادا کر سکتی ہیں اس کی کچھ مثالیں یہ ہیں:

☆ وہ ہر طرح کے لوگوں کو اپنی صفوں میں شامل کریں اور بے سمتی کا شکار افراد بالخصوص معاشرے کے نوجوانوں، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، کے لئے نمائندگی کے مواقع پیدا کریں کیونکہ یہ لوگ نوجوان نسل کے ساتھ زیادہ موثر طریقے سے ابلاغ کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کو بھی تسلیم کریں کہ سیاسی وسماجی بیگانگی کے ساتھ ریاستی مظالم بھی مل جائیں (جو زیادہ تر فوجی آمریتوں کے دور میں ہوتے ہیں) تو محروم طبقات تشدد کی راہ اپنانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

☆ ایسے لیڈر تیار کریں جو انتہاپسندوں کے نقطہ نظر کو پوری طرح سمجھتے ہوں اور انہیں تربیت دیں کہ وہ سیاسی رابطہ ورسائی کی سرگرمیوں کے ذریعے اپنے حلقوں میں تعصب کو چیلنج کریں۔[4]

☆ ارکان مقننہ کو قانون سازی کی باریکیوں پر تربیت دیں (مثال کے طور پر، فاٹا کو پاکستان کے مرکزی دھارے میں کس طرح لایا جا سکتا ہے) اور انہیں بتائیں کہ وہ انتہاپسندانہ رجحانات کی حوصلہ شکنی کے لئے بہتر اور ہدف پر مبنی قوانین کس طرح بنا سکتے ہیں۔

☆ اپنی صفوں میں موجود انتہاپسندوں سے چھٹکارا حاصل کریں جو ریڈیکل خیالات کو آگے بڑھا کر اپنی سیاسی پذیرائی بہتر بناتے ہیں۔

☆ دوسری اور تیسری سطح کے سیاسی لیڈروں کو اس قابل بنائیں کہ وہ جمہوری طرز حکمرانی میں اپنا کردار ادا کرسکیں جس سے پرتشدد انتہاپسندی کے خطرات دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔

☆ اپنے منشور اور وسیع تر سیاسی رابطہ ورسائی کے ذریعے برداشت کو فروغ دیں، اور داخلی و بیرونی دونوں سطح پر مفاہمت، ڈائیلاگ اور تنازعات کے پرامن تصفیہ کی اہمیت پر زور دیں۔

☆ اس بات کا احساس کریں کہ جوابی بیانیہ میں جو پیغام دیا جاتا ہے اس کی جائز حیثیت پیغام دینے والے کی جائز حیثیت سے جڑی

---

3. Hammad Sheikh, Jeremy Ginges, Alin Coman and Scott Atran, "Religion, group threat and Sacred Values," Judgment and Decision Making 7 (2), 110-118; available at: http://journal.sjdm.org/12/12305/jdm12305.pdf

4. See, "Women Countering Violent Extremism in Pakistan", The Institute for Inclusive Security, https://www.inclusivesecurity.org/elevating-pakistani-voices/

ہے اس لئے میدان سیاست کے مثالی کرداروں کی کرشماتی شخصیت اور ان کا سابقہ ریکارڈ معاشرے پر بے پناہ اثرات مرتب کرسکتا ہے۔[5]

☆ کمیونٹیز کو بااختیار بنائیں اور انتہاپسندی کے مقابلے کے لئے ان کی صلاحیت مستحکم بنائیں۔[6]

جوابی بیانیہ کی تیاری اور اس پر عملدرآمد میں فوجداری نظام انصاف کا کردار بالعموم اور پولیس نظام کا کردار بالخصوص کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان ہو یا باقی دنیا ہر جگہ عملی طریقوں پر بہت زور دیا جاتا ہے اس لئے انتہاپسندی کے خاتمے اور انسداد دہشت گردی کے شعبے میں پولیس کے کردار کی مرکزی حیثیت اکثر نظرانداز ہو جاتی ہے۔ پولیس کی نااہلی اور کرپشن کے لحاظ سے اس کی بدنامی بھی آڑے آجاتی ہے جس کی وجہ سے اس ادارے کے بارے میں کوئی یہ نہیں سوچتا کہ یہ معاشرے میں کوئی تعمیری کردار ادا کرسکتا ہے۔ پاکستان کو اگر ایک فعال اور ترقی پسند ریاست کے طور پر آگے بڑھنا ہے تو اسے بدلنا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انتہاپسندی اپنا پہلا تعارف منافرت پر مبنی تقریر، دوسروں پر دھونس اور ڈراؤ دھمکاؤ کی شکل میں کراتی ہے۔ ریاست جب انتہاپسندوں کی گھناؤنی کارروائیوں کو شروع میں ہی روکنے میں ناکام رہتی ہے تو وہ مزید گنجائش اور قوت حاصل کرنے لگتے ہیں۔ انتہائی نچلی سطح پر ریاست کی نمائندگی اس کے قانون نافذ کرنے والے اداروں کی استعداد کی صورت میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کو جڑ سے ہی کچلنے میں پولیس انتہائی اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔

جوابی بیانیہ کی ترویج میں پولیس کا کردار بھی انتہائی اہم ہے کیونکہ اسے انتہاپسندوں اور دہشت گردوں کے بارے میں ہونے والی تحقیقات اور ان سے ہونے والی پوچھ گچھ کی رپورٹوں تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اپنی تحقیق کے دوران میرا واسطہ کئی ایسی مثالوں سے پڑا جن میں پولیس اہلکاروں نے سب سے پہلے معاشرے میں نئے انتہاپسندوں کی نشاندہی کی۔ جرائم پیشہ اور عسکریت پسند عناصر جب اپنا کوئی نیٹ ورک تعمیر کرتے ہیں تو اس کی پہلی جھلک دیکھنے والے بھی یہی پولیس اہلکار ہوتے ہیں۔ مشتبہ عسکریت پسندوں سے پوچھ گچھ کی سابقہ رپورٹیں انتہاپسندی اور عسکریت پسندی کے خلاف جوابی بیانیہ کے لئے معلومات کے خزانے کا کام دے سکتی ہیں۔ منافرت پیدا کرنے اور تشدد پر اکسانے والے تحریری اور الیکٹرانک مواد کا جائزہ لینے کے علاوہ ان سرگرمیوں کے خلاف قانونی اقدامات کرنا بھی پولیس کا کام ہے جو شاذ و نادر ہی انجام دیا جاتا ہے۔ فی الوقت پاکستان ادارہ جاتی اعتبار سے اتنا فعال نہیں ہے کہ ڈیٹا کے ان وسیع ذخائر کا بہترین استعمال کرسکے جو ریاست کی رسائی میں ہیں۔ یہاں تو لگتا ہے کہ ریاستی حکام کو یہ اندازہ بھی نہیں ہے کہ اس سے کیا کیا فائدے اٹھائے جاسکتے ہیں۔ نیشنل کاؤنٹر ٹیررازم اتھارٹی (نیکٹا) کا آئیڈیا اسی جانب ایک کوشش تھی لیکن اسے قائم کرنے، فعال بنانے اور موزوں حد تک وسائل سے لیس کرنے میں ہی اتنا طویل وقت لگ گیا ہے۔ نیکٹا کو اگر بااختیار بنانا ہے تو اسے فوجی اور انٹیلی جنس انتظامیہ کی مدد کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہوگی تاکہ وہ ایک ایسے مرکزی ادارے کے طور پر سامنے آسکے جو انسداد دہشت گردی کی موثر حکمت عملیاں تشکیل دینے اور انتہاپسندی کے خلاف زوردار جوابی بیانیہ تیار کرنے کے لئے وفاقی حکومت کو ہر قسم کا ضروری مواد فراہم کرسکے۔ پاکستان پولیس نظام کو بہتر بنانے اور اسے انتہاپسندی کے خاتمہ میں ناگزیر کردار ادا کرنے کے قابل بنانے کے لئے نفاذ قانون کے سویلین بنیادی ڈھانچے پر سرمایہ کاری میں تاخیر کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

5. For a detailed discussion, see Qamar –ul Huda, "Using Citizen Messengers to Counteract Radicalism," in Laurie Fenstermacher, Editor, Countering Violent Extremism: Scientific Methods and Strategies, revised July 2015, 150, available at https://info.publicintelligence.net/ARL-CounteringViolentExtremism.pdf

6. For details, see "Stop Violent Extremism: Madrid + 10," October 2015, available at http://www.clubmadrid.org/PD2015/PD2015booklet.pdf

پرتشدد انتہا پسندانہ رویئے: رویوں کی سائنس کیا کہتی ہے

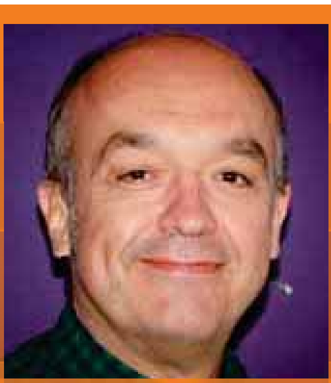

انریک فاتاس

پروفیسر معاشیات، یونیورسٹی آف ایسٹ اینگلیا، برطانیہ

لینا ماریا ریسٹریپو پلازا

ایسوسی ایٹ لیکچرر، سکول آف اکنامکس، یونیورسیدیدیل والے، کولمبیا
طالبہ پی ایچ ڈی، یونیورسٹی آف ایسٹ اینگلیا، برطانیہ

عمر تاج

ڈاکٹورل ریسرچ، بیہیوئرل سائنس گروپ، واروک بزنس سکول
ایم ایس سی لندن سکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹکل سائنس

کتنی راہیں پرتشدد انتہا پسندی کو جاتی ہیں؟ ریڈیکلائزیشن کا تعین کن کن باتوں سے ہوتا ہے؟ کسی بھی پرتشدد گروہ کے بننے اور کام کرنے کو سمجھنا ہو تو کیا ثقافتی عوامل اس میں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں یا کسی تنظیم یا فرد کی خصوصیات؟ بدقسمتی سے ان سوالوں کے جو بھی جواب ملتے ہیں وہ پرتشدد انتہا پسندی کو محض جزوی حد تک اور کسی قدر ٹوٹے پھوٹے انداز میں سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر بڑی محدود پالیسی سفارشات سامنے آتی ہیں۔

پرتشدد انتہا پسندی کے کئی رخ ہیں جنہیں مختلف نقطہ ہائے نظر سے دیکھیں تو یہ اس کے اسباب کو جزوی حد تک اجاگر کرتے ہیں۔ نفسیات کہتی ہے کہ کسی فرد کا سادہ سا پروفائل اس کے جذبات (جن میں غصہ، غرور، طیش، فرسٹریشن، مایوسی سبھی شامل ہیں) کے پیچیدہ مجموعے اور پرتشدد انتہا پسندی کے پس پردہ سماجی، اقتصادی، مذہبی یا نسلی وقوم پرستانہ مقاصد کا پوری طرح احاطہ نہیں کر پاتا۔ ٹھوس نفسیاتی شواہد کے ذریعے آپ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حتیٰ کہ تشدد کی کارروائیاں (یعنی خودکش مشن) بھی کسی نفسیاتی عارضے کی علامات نہیں بلکہ انفرادی اور ماحولیاتی عوامل کے ایک مجموعے کا اثر ہیں۔ عام لوگ جہاں بظاہر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ ذہنی خلفشار کا شکار، غریب اور کم تعلیم یافتہ ہیں وہیں سروے ڈیٹا کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعلیم کی کمی اور غربت کو دیکھ کر آپ یہ پیش بینی نہیں کر سکتے کہ کوئی شخص پرتشدد انتہا پسند بنے گا یا نہیں۔ ثابت ہو چکا ہے کہ کم وبیش 18 فیصد خودکش حملہ آور جنہوں نے 2000 اور 2005 کے درمیان ہونے والے حملوں میں حصہ لیا، اعلیٰ تعلیم حاصل کر چکے تھے یا کر رہے تھے۔

انفرادی سطح کا تجزیہ بہت الجھا ہوا ہو تو تنظیمی پہلو یہ سمجھنے میں مدد دے سکتے ہیں کہ بعض گروہ اتنے جہاندیدہ افراد کو اپنی طرف مائل کرنے میں کیوں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ تنظیموں کی عمرانیات سے پتہ چلتا ہے کہ سماجی اعتراف، کمیونٹی سہولیات، حمایت کے ٹھوس نیٹ ورک اور ہر بات کو پوشیدہ رکھنے کی روش کا ایک موزوں مجموعہ کسی مقصد اور پرتشدد انتہا پسندی کے ساتھ وابستگی میں اضافہ کر سکتا ہے۔ ماہرین سیاسیات کی طرف سے کئے گئے مختلف گروہوں اور معاشروں کے تجرباتی تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نفسیاتی اور تنظیمی محرکین کا انحصار سیاق وسباق پر ہوتا ہے۔ انتہائی شدید ماحولیاتی دباؤ کا شکار لوگوں میں کوئی دو چار ہی ایسے ہوتے ہیں جو بالآخر تشدد کا راستہ اپنانے کی ٹھان لیتے ہیں اور کسی ایک تنظیم میں جہاں کھانے کھلانے کی رسمیں انتہائی کامیاب ثابت ہو سکتی ہیں (یعنی سری لنکا کے بلیک ٹائیگر) وہیں آزاد سماجی تنظیموں کے فنڈز کے ذرائع سے یہ سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے کہ مذہبی گروہ غیر مذہبی ریڈیکل لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے میں کیوں کامیاب ہو رہے ہیں (یعنی القاعدہ)۔

بعض اوقات صرف سماجی عوامل (سماجی محرومی) کے مجموعے اور سماجی محرکین (بالخصوص تعلیمی پس منظر) سے ہی بعض بے قاعدگیوں کی وضاحت ہو جاتی ہے (یعنی انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے والے افراد کا تناسب پرتشدد اسلامسٹوں میں تین سے چار گنا تک زیادہ کیوں ہے)۔

اب سوال یہ ہے کہ ہم نفسیات، عمرانیات اور سیاسیات سے ملنے والے ان تمام مختلف عناصر کو ایک سوچ کی شکل میں کس طرح ملاتے ہیں؟ پالیسی کے لئے ہم مختلف طریقوں سے کارآمد سبق کس طرح اخذ کرتے ہیں؟ رویوں کی سائنس مختلف سوشل سائنسز کے طریقوں اور ان سے حاصل ہونے والے سبق کو ملا کر ایک دلچسپ فریم ورک پیش کرتی ہے جس کے ذریعے ہم پرتشدد انتہا پسندی کے ظہور میں ماحولیاتی عوامل (مذہب، تعلیم، غربت، سماجی اخراج، گروہی شناخت) اور انفرادی خصوصیات کو ملا کر تجزیہ کر سکتے ہیں۔ رویوں کی سائنس میں کئی طرح کے طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیس سٹڈیز یہ سمجھنے کے لئے کارآمد رہتی ہیں کہ تشدد کس طرح پرخطر ماحول پیدا کرتے ہوئے خطرناک رویوں کو عوام الناس میں منتقل کرتا ہے۔ سروے اور انٹرویو کے ذریعے انتہا پسندوں کا تفصیلی خاکہ تیار کیا جاتا ہے اور معاشرتی (یعنی عدم مساوات) وتنظیمی (یعنی نیٹ ورک کا ڈھانچہ) پہلوؤں کے در

1. See, for instance, Benmelech, E. and Berrebi, C., 2007. Human capital and the productivity of suicide bombers. The Journal of Economic Perspectives, 21(3), pp.223-238.
2. See the excellent survey of Crenshaw, M. 2007. Explaining Suicide Terrorism: A Review Essay. Security Studies, 16, 1, pp. 133-162.
3. Gambetta, D. and Hertog, S., 2009. Why are there so many Engineers among Islamic Radicals?. European Journal of Sociology, 50(02), pp.201-230